ماهنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
March 2023
شعبان
تاریخ اہلِ حدیث

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 05 March 2023

Shaban/ Ramzan 1444 AH

جلد: 43 شمارہ: 05 مارچ 2023ء

شعبان/رمضان: 1444ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ ہم اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔ اسی سے مدد اور معافی مانگتے ہیں۔

ہم اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں کیونکہ اس کے احسان کی بارش ہمیشہ سے نازل رہی ہے، کبھی چھپ جاتی اور کبھی عیاں نظر آنے لگتی ہے۔

اللہ کے لیے ایسی تعریف ہے جس کی کوئی آخر نہیں۔

ہمارا بھروسہ صرف اللہ پر ہی ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی الٰہ ہی نہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے ہمیں ایسے پاکیزہ دین سے نوازا ہے جو نوجوانوں کو سربلندی کی راہ دکھاتا ہے اور نعمتیں دینے والے پروردگار کا شکر سکھاتا ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے گمراہی کے اندھیرے مٹادیے، پھر ہدایت کا نور حیرت انگیز طریقے سے پھیلتا گیا۔ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے گھر والوں اور صحابہ کرام پر، جنہوں نے پیغامِ حق کی قید کرنوں کو دنیا میں پھیلایا اور مدفون فضیلتوں کی شاندار عمارت قائم کی۔ تابعین پر اور روز جزا تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر بھی اللہ کی رحمت، برکت اور سلامتی نازل ہوتی رہے۔

بعدازاں، اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! فرصت کو غنیمت جانو۔ مہلت ختم ہونے سے پہلے پہلے اپنے اوقات کو نیکیوں سے بھرلو۔

”پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔“ (سورۃ المائدۃ: 100)

جو پرہیز گاری اختیار کرتا ہے، اسے آسانیاں ڈھانپ لیتی ہیں۔ اس کے معاملات آسان ہو جاتے ہیں اور اسے کسی مشکل کا ڈر نہیں رہتا۔ تو اے پرہیز گارو! کامیابی سے خوش ہو جاؤ، آپ کی زندگی ہی قابل رشک زندگی ہے۔

اے مؤمنو! جو تہذیبوں، قوموں اور معاشروں کی تاریخ میں نظر دوڑاتا ہے، فکری رہنماؤں، علمی شخصیات اور قابل قدر علم برداروں کے حال پر غور کرتا ہے، اسے کسی تنگی یا مشقت کے بغیر ہی ایک عظیم اور حیرت انگیز حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ہر کامیابی کے پیچھے امانت دار، چنیدہ اور منور گروہ کار فرما ہوتا ہے۔ اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے۔ یہ گروہ نوجوانوں کا گروہ ہے۔ ہر کامیابی میں جوان ہی بنیادی رکن ہیں، نوجوان ہی نہایت قیمتی اور گراں قدر خزانہ ہیں۔ یہی خوشبو دار پھول ہیں۔ یہی طاقتور بازو ہیں۔ یہی چڑھتی امیدیں اور چمکتی پیشانیاں ہیں۔

دلیر، پر امید اور توانا جوانوں کو سلام پیش کیجیے! جنہوں نے اپنی کوششوں سے تاریخ کو مزین کر دیا۔ یہی مستقبل کے معمار اور اس ٹیم ہیں۔ یہی بہترین زندگی بنانے والے ہیں۔

اے اسلامی بھائیو! اسلام نے نوجوانوں کو بڑی اہمیت اور پوری توجہ دی ہے۔ پیدائش سے بھی پہلے ان کی نگہبانی کا آغاز کیا۔ دلہا اور دلہن، دونوں کو مناسب شریک حیات منتخب کرنے کا حکم دیا۔ دوران حمل ان کی نگہبانی کی۔ پھر وہ اسلامی نگہبانی میں ہی دودھ پیتا بچہ بنے، لڑک پن کی عمر کو پہنچے، سمجھ دار بچے بنے، پھر نوجوانی کی عمر میں پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ روز قیامت عرش الٰہی کے واحد سائے سے فائدہ حاصل کرنے والے خوش قسمت لوگوں میں وہ نوجوان بھی ہوں گے جو اللہ کی فرمان برداری میں پلے ہوں گے۔ (متفق علیہ)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کے اخراجات اٹھانے کے قابل ہو، وہ شادی کرلے، اس طرح نظر نیچی رکھنے میں بھی مدد ملے گی اور شرم گاہ کی حفاظت بھی آسان ہو جائے گی۔“ (متفق علیہ)

اسلام کی نگہبانی کا نتیجہ ہے کہ ہمیں اخلاق کی بلندیوں کو چھوتے، شاندار رویوں اور خصلتوں کے مالک نواجوانوں کی روشن مثالیں نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے شاندار اخلاق، ان کی منفرد کامیابیوں اور سربلندی والے کاموں کو دیکھ کر لوگ گروہ در گروہ دین میں داخل ہو جاتے تھے۔

میں نوجوانوں کو تعظیمی سلام پیش کرتا ہوں۔ یہی ہمارا بیش قیمت سرمایا ہیں۔ یہی ہمارے فخر کا راز ہیں۔ نبی ﷺ کے صحابہ بھی تو بلند سوچ رکھنے والے نوجوان ہی تھے۔

میدان بدر میں جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا علم اٹھایا تھا، تو اس وقت وہ کتنی عمر کے تھے؟

اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب لشکر کی قیادت کی تھی، اس وقت وہ کتنی عمر کے تھے؟

جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو حبر الامہ سیدنا

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کتنی عمر کے تھے؟
وحی لکھنے والے سیدنا زید بن ثابت ؓ کتنی عمر کے تھے؟
اسلام کے سفیر سیدنا مصعب بن عمیر ؓ کتنی عمر کے تھے؟
الحسن اور الحسین تو جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔
سیدنا معاذ ؓ کو جب رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کا قاضی اور مفتی بنا کر بھیجا، تو وہ کتنی عمر کے تھے؟
عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ کو جب خلافت کا تاج پہنایا گیا، تب وہ کتنی عمر کے تھے؟
امام شافعی ؒ نے جب موطا امام مالک کو زبانی یاد کر لیا تھا اور فتویٰ کی کرسی پر بیٹھ گئے تھے، تب وہ کتنی عمر کے تھے؟

سب کے سب جوانی کی عمر میں تھے۔ ان کے علاوہ بھی ہزاروں بلکہ کروڑوں نوجوان ہیں۔

اسلام نے میری قوم کو خوب بنایا ہے۔ نوجوان، مخلص، آزاد، امانت دار۔ اسلام ہی نے تیز زبان والوں کے مقابلے میں مضبوط ایمان والوں اور اہل علم کو آگے کرنا سکھایا ہے۔

اے امت اسلام! نوجوانی کا مرحلہ عقیدے کو راسخ کرنے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ اسی میں انسان کی سوچ تشکیل پاتی ہے۔ وہ درست راستے پر چل پڑتا ہے۔ اسی میں انسان اپنے نفس، اپنی ذات، اپنے اہداف اور مقاصد کو تشکیل دیتا ہے۔ لہٰذا یہ بات انتہائی اہم ہے، بلکہ یہ امت کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ جوانوں کی صلاحتیں نیکی اور کامیابی کے راستوں میں لگائے۔ انہیں ہلاکت خیز کاموں اور فساد سے دور رکھے۔ اور یہ کام تب ہی ہو سکتا ہے جب چند چیزوں کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ جن میں اہم ترین یہ ہے کہ انہیں شرعی علوم کے قلعے میں محفوظ کیا جائے۔ دین کا علم سیکھ کر ہی گناہوں سے بچا جا سکتا ہے، دین کے احکام کی پامالی اور ظلم وزیادتی سے حفاظت ہو سکتی ہے۔ دینی علوم کی بدولت ہی انسان دنیا وآخرت کی کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ جب اسلامی شریعت، انسان کی رہنما اور قائد بن جاتی ہے، تو انسان جوانی کے جذبات کی قید سے بے لگام جوش وجذبہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ ہدایت کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ ثقہ علماء، اکابرین، علم غفیر اور طویل تجربوں کے مالک اہل علم کی رہنمائی کے مطابق چلتا ہے۔ ان ہی کے علم، نصیحت اور حکم سے ہدایت کی راہ اپنا لیتا ہے اور ان ہی کی کے مشوروں پر عمل کرتا ہے۔ جب نوجوان یہ کام کرتے ہیں تو وہ امت اور دین کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں۔ پیغام حق سے نوجوانوں کو دور کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرنے والوں کے خلاف یہی نوجوان ثابت قدمی دکھاتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

”حالانکہ اگر یہ اُسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو اِن کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔“ (سورۃ النساء:83)

خیال رہے کہ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے ملک کی تعمیر کریں۔ ان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ انہیں با اثر بنانا چاہیے۔ انہیں بتانا چاہیے کہ حب الوطنی بس ایک جذبہ یا جوش مارتے جذبات ہی نہیں ہیں، بلکہ یہ اس سے بڑھ کر احساس ذمہ داری بھی ہے، واجبات کی ادائیگی بھی ہے۔ حقیقی شہریت یہ ہے کہ تمام ہم وطنوں کے ساتھ ان کی زندگی اور موت میں، ہر طرح کے چیلنجز کے مقابلے میں، ان کمائیوں اور کامیابیوں میں، ان کے حقوق اور واجبات میں برابر کے شریک بنا جائے۔ اس عظیم ملک میں ہماری مثال ایک جسم کی سی ہے۔ وطن کی تعمیر، استخلاف اور زمین کو آباد کرنے کا ہی تقاضا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

”وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے اور یہاں تم کو بسایا ہے۔“ (سورۃ ہود:61)

چنانچہ منصوبہ بندی ضروری ہے، اسٹراٹیجک پلاننگ کی بڑی اہمیت ہے، تہذیبی سرمایہ کاری انتہائی اہم ہے اور ٹیکنیکل اداروں کی موجودگی بھی وطن کی تعمیر وترقی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ مثبت سوچ، ہمہ وقت توانائی، مفید چیزوں میں شرکت اور پیداوار بڑھانے پر مناسب توجہ بھی انتہائی اہم چیزیں ہیں۔

ملک کی تعمیر وترقی کا زیادہ بوجھ اور زمین کو آباد کرنے کی ذمہ داری کا بیشتر حصہ نوجوانوں کے کندھوں پر ہی ہے، کیونکہ وہی بااثر طاقت کے مالک ہیں، سوچنے والی عقلیں رکھتے ہیں اور محنت کرنے والے ہاتھوں سے کام لیتے ہیں۔

اے مؤمنو! وہ چیز جو اسلامی معاشرے کو غیر مسلم معاشرے سے ممتاز کرتی ہے، وہ یہی ہے کہ مسلمان معاشرے کے لوگ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ایک دوسرے کو حق کی اور اس استقامت کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ فرمان نبوی ہے:

”تم سب ذمہ دار ہو اور ہر ایک کو اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“ (متفق علیہ)

ہماری پُر نور شریعت میں تنہائی اور اکیلے پن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تجرد اور خلوت انتہائی ناپسندیدہ ہے، یہ تو روشن خیالی اور تجدید کو جانتی ہے، بدلتے حالات اور نئی ایجادات کے مطابق ترقی اور رواداری کو عام کرتی ہے، تاہم دینی اصولوں اور متفق علیہ احکام، واضح ارشادات اور اٹل قاعدوں پر سمجھوتے سے روکتی ہے۔

اے نوجوانو! ذمہ داری اٹھانے کے قابل بن جاؤ۔

اصلاح کا آغاز اپنے نفس سے کرو، اپنے جسم کے اعضاء کو دیکھو، اپنے جسم کو توجہ دو، اپنی روح کو پاکیزہ کرو، اپنی عقل کو درست کرو، اپنے علم، عمل، عبادت اور معاملات کو ٹھیک کرو۔ اے نوجوانو! آپ کے کندھوں پر بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ دین کی، ملک کی، معاشرے کی اور امت کی۔ ان سب کی ادائیگی کے لیے قول وعمل میں اخلاص کو اپنا تاج بنایئے۔ اسی طرح نوجوانوں کو اپنے جسم اور شکل وصورت پر بھی خاص توجہ دینی چاہیے، اپنے دل، نفس، روح اور فکر کی سلامتی کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ خواہشات کا دروازہ نہیں کھولنا چاہیے۔ شبہات کے گرد نہیں گھومنا چاہیے۔ فتنوں اور نافرمانیوں کے قریب نہیں بھٹکنا چاہیے۔ جاہل کو تعلیم دینی چاہیے، گمراہ کو راہ دکھانی چاہیے اور لوگوں کو بھلائی اور ہدایت کی طرف بلانا چاہیے۔ یاد رہے کہ دین کی سربلندی میں اور نبی کی شریعت کے پھیلنے میں اللہ کے فضل کے بعد نیک نوجوانوں کا ہاتھ ہی رہا ہے۔ یہی نقیب اور حواری ہیں۔ یہی انصار اور مہاجر ہیں۔ یہی با عمل عالم ہیں۔ یہی مصلح استاذہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے متعلق فرمایا:

”وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔“ (سورۃ الکھف:13)

اے امت کے نوجوانو!

اخلاص کے ساتھ دین کے لیے کام کرنے والا وہی ہو سکتا ہے جو اپنے دین پر فخر کرتا ہو۔ اس کی طرف نسبت کو اپنا اعزاز سمجھتا ہو۔ یہ وہ بات ہے جسے نوجوانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ دین اسلام کی طرف نسبت کو اور اس کے لیے کام کرنے کو اپنا فخر اور اعزاز سمجھیں۔ اسی سے انہیں ہمت اور توانائی بھی ملے گی۔ مسلمان نوجوان کو اپنی باتوں میں، لباس میں اور اپنی شکل وصورت میں اندھی تقلید سے بچنا چاہیے۔ بلکہ اس حوالے سے اسے نبیوں کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے اور نیک لوگوں کی راہ پر چلنا چاہیے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

”درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ تھا۔“ (سورۃ الاحزاب:21)

ہمارا دینی، اخلاقی اور وطنی فریضہ ہر ایک پر اور بالخصوص نوجوانوں پر ضروری ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنا واجب ادا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو، تاکہ ہم سب مل کر فسادیوں اور مذموم مقاصد کے والوں کا راستہ روک سکیں، جو دین اور وطن کی حرمتیں پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ سب مل کر مذموم مقاصد والی افواہوں، جھوٹی خبروں، مشکوک آوازوں، گمراہ فرقوں، راہ راست سے ہٹی ہوئی جماعتوں اور دین سے نکلی ہوئی تنظیموں کا مقابلہ کریں، جو بدنظمی پیدا کرنے، شور وغل مچانے، پریشانیاں اور فتنے برپا کرنے کی بھرپور کوشش کرتی رہتی ہیں۔ تاکہ ہم سب امن وسلامتی سے لطف اندوز ہوں، دینی بھائی چارے کی حفاظت کریں اور قومی وحدت کو بچائے رکھیں۔

تہہ دل سے نکلنے والی پکار ہے! تہہ دل سے نکلنے والی پکار ہے! ان لوگوں کے نام، جو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ذمہ دار ہیں۔ چاہے وہ والدین ہوں، اساتذہ ہوں، تربیت دینے والے ہوں، قلم کار ہوں یا میڈیا کے لوگ ہوں، ہم ان سب سے کہتے ہیں کہ نوجوان نسل کی ذمہ داری آپ کے سر پر ہے، اس لیے تم اللہ سے ڈرو! ان کے دلوں کو قرآن وسنت کے پیغام سے اور سلف صالحین کے منہج سے سیراب کرو۔ انہیں بدعتوں اور شرکیات سے دور رکھو۔ ایجاد کردہ عبادتوں اور دین کی خلاف ورزی سے بچو۔ ڈر پھیلانے والے، دھمکانے والے اور شدت پسندی پر اکسانے والے، عنصریت پسند، فرقہ واریت پھڑکانے والے اور امتیازی سلوک کو ہوا دینے والے والے طرز گفتگو سے اجتناب کرو۔ انہیں انتہا پسندی اور دہشتگردی سے بچائے رکھو۔ دہشتگردی کا تو نہ کوئی دین ہوتا اور نہ کوئی ملک۔ نوجوانوں کی تربیت وسطیت اور اعتدال پر کیجیے۔ رواداری اور نرمی پر کیجیے۔ حکمت اور توازن پر کیجیے، جس میں نہ مبالغہ ہو اور کوتاہی۔ انہیں اغیار کی افکار سے بچاؤ۔ کمزور منہج سے بچاؤ۔ قابلیت بڑھانے والی اور امیدیں پوری کرنے والی ہر چیز میں ان کی حوصلہ افزائی کیجیے۔ انہیں دین کی خدمت اور ملک کی فلاح وبہود کے لیے کوشش کے مواقع دو۔ انہیں ان لوگوں سے خبردار کیجیے جو سوشل میڈیا کے مختلف صفحوں کے ذریعے انہیں نشانہ بنائے بیٹھے ہیں۔ جو قابل قدر اور قابل تقلید شخصیات پر کیچڑ اچھالتے نہیں تھکتے۔ ثقہ لوگوں سے بھروسہ ختم کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

بلند ہمت لوگوں کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس معاشرے میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو خود بھی نکمے ہیں اور جو دوسروں کی حوصلہ شکنی بھی کرتے ہیں۔ جو مایوس اور بے امید ہیں۔ جو ترقی، تجدید اور ایجاد کے دشمن ہیں۔ جو ہر پیش قدمی کو تباہ کر دیتے ہیں اور ہر بااعتماد، کامیاب اور باہمت شخص کا راستہ روک دیتے ہیں۔ نوجوانوں کو سکھایئے کہ وہ اِدھر اُدھر کے راستوں پر دھیان نہ دیں۔ اپنی ہمت بلند کر لیں، تاکہ چوٹی تک پہنچ سکیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اسی پر اعتماد کریں۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

”بھلائیوں کی طرف سبقت کرو جہاں بھی تم ہو گے، اللہ تمہیں پالے گا اُس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔“ (سورۃ البقرۃ: 148)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن وسنت میں برکت عطا

فرمائے۔ سردار دو عالم ﷺ کی تعلیمات سے فائدہ پہنچائے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ عظیم و جلیل سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! وہ توبہ قبول کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ:

حمد و ثنا اللہ کے لیے ہے۔ ایسی حمد و ثنا جو ہر سانس کے ساتھ تازہ ہو جائے اور جب بھی آنکھیں کتاب کی کسی سطر پڑ پڑیں، تو متجدد ہو جائے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی کریم اور معاف کرنے والا ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اللہ کے شکر گزار بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے اہل بیت پر، صحابہ کرام پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو!

اللہ یوں ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہی ہمیشہ باقی رہنے والا سرمایہ ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہے۔

"زاد راہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زاد راہ پرہیز گاری ہے۔" (سورۃ البقرۃ: 197)

مسلمان جماعت سے جڑے رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور جو جماعت کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے، وہ جہنم کی کھائیوں میں گر جاتا ہے۔

اے مؤمنو!

نوجوانوں کی شان، ان کی ذمہ داریوں، انہیں با اثر کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کے بارے میں گفتگو کی جائے تو یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ یہاں مرد اور خواتین برابر ہیں۔ اہل اسلام کی نوجوان لڑکیوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں۔ دین کے طے شدہ اصولوں اور دینی اقدار پر ثابت قدم رہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ دین، وطن اور معاشرے کے لیے کیے جانے والے تمام کاموں اور کاوشوں کو دینی شناخت پر اور اس شناخت کو مضبوط تر کرنے والی اقدار پر فخر کا تاج پہنائیں۔ یہ سارے کام شرعی اصولوں کے مطابق اور ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے کریں۔

یاد رہے کہ نوجوانوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو سارے معاشرے کی غلطی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ان کی وجہ سے نوجوانوں سے اعتماد نہیں اٹھنا چاہیے اور مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ یہاں بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ ہمیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ الحمد للہ! نوجوانوں کی زیادہ تعداد راست باز، دین الٰہی کے عظیم اصولوں پر قائم اور وسطیت و اعتدال کی راہ پر چلنے والی ہے۔ یہی نوجوان قابل فخر ہیں، جن کا دفاع کرنا ضروری ہے، ان پر ہمیں ناز ہونا چاہیے اور ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ اس لیے ہمیں ہمیشہ ان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ ان کی مدد کرنی چاہیے، ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور انہیں با اثر بنانا چاہیے۔

تو اے ہمارے نوجوانو! اے ہمارے نوجوانو!

ہم آپ کے ذریعے اپنا مستقبل سنورتا دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں اپنی امیدیں پوری ہوتا دیکھ رہے ہیں اور یہ کام ایسے انداز میں ہوتا دیکھ رہے ہیں کہ دینی اصولوں کی خلاف ورزی بھی نہ ہو اور جدید تقاضے بھی پورے ہو جائیں۔ اور یہ کام اس ملک کے باہمت نوجوان سرانجام کر ملک اور قوم کی خدمت کریں۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! یاد رکھو کہ جوانی کبھی لوٹ کر نہیں آتی۔ تو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت جانو۔ روز قیامت کوئی شخص قدم بھی اس وقت تک آگے نہیں بڑھا سکے گا جب تک اس سے پوچھ نہ لیا جائے کہ اس نے اپنی جوانی کس چیز میں لگائی۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ مسلمان جوانوں کی اصلاح فرمائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ مسلمان جوانوں کی اصلاح فرمائے۔ انہیں بھلائی اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ انہیں کامیاب اور کامران فرمائے۔ انہیں اپنے گھر والوں اور خاندانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ اپنے معاشروں اور ملکوں کے لیے خوشی کا سبب بنائے۔ انہیں اعتدال کے راستے پر لگائے۔ یقیناً! وہی سب سے بڑا اور سب سے بلند ہے۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! سچے اخلاق، شاندار اوصاف، خوبصورت صورت اور ہیبت ناک شخصیت کے مالک نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔" (سورۃ الاحزاب: 56)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔"

رحمتیں اور سلامتیاں ہوں احمد ﷺ پر، جو کہ بنی نوع انسانی میں افضل ترین ہیں۔ اہل بیت پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

اے اللہ! خلفائے راشدین، اصحاب ہدایت اماموں، سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم سے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

☆☆☆

ماہ شعبان عربی سال کا آٹھواں مہینہ ہے اس ماہ میں کثرت سے روزے (صوم) رکھنا نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا۔

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ روزہ رکھتے تو ہم کہتے کہ اب آپ افطار نہیں کریں گے اور جب افطار کرتے تو ہم کہتے کہ روزہ نہیں رکھیں گے اور میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو رمضان کے سوا کسی اور مہینہ میں پورا مہینہ روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی شعبان کے علاوہ کسی اور ماہ میں زیادہ روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اسی ماہ میں ازواج مطہرات رمضان کے روزوں کی قضاء کرتی تھیں، رمضان کے روزں کی قضاء کے لئے یہ آخری ماہ ہے ایسا شخص جس نے کسی شرعی عذر کی بناء پر رمضان کے کچھ روزے چھوڑ دیئے ہوں انہیں چاہیے کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے قضا کر دیں ورنہ وہ گناہ گار ہوں گے۔

اس مہینہ کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس ماہ میں اللہ کے دربار میں اعمال پیش ہوتے ہیں اس ماہ میں نبی کریم ﷺ نے کے صوم رکھنے کی حکمت اور وجہ بھی یہی تھی جیسا کہ سیدہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں، میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا، آپ شعبان کے مہینہ میں اتنا روزے کیوں رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یہ وہ مہینہ ہے جسے رجب اور رمضان کے درمیان پڑنے کی وجہ سے لوگ بھول جاتے ہیں جبکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ رب العالمین کے پاس اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس لئے میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل پیش کیا جائے تو میں روزے سے ہوں۔“ (مسند احمد؛ ارواء الغلیل: 4/103؛ سلسلہ احادیث صحیحہ : 1898)

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ شعبان میں آپ ﷺ کی اتباع وپیروی میں کثرت سے روزے رکھنا چاہیے، لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ماہ شعبان میں صوم کی مشروعیت ابتدائی 15 دنوں میں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے نصف شعبان کے بعد صوم رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا.»

”جب شعبان آدھا گذر جائے تو روزے نہ رکھو۔“

(مسند امام احمد؛ سنن ابوداؤد: 2337؛ جامع ترمذی: 738)

اس حدیث کی روشنی میں امام شافعی رحمہ اللہ نے ایسے شخص کو جسے روزے کی عادت نہ ہو، نصف شعبان کے بعد روزے سے منع کیا ہے۔(لطائف المعارف: 260)

15 شعبان کے بعد لگا تار روزے سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ لگاتار پوراماروزہ رکھنے سے انسان کو کمزوری لاحق ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے رمضان کے صوم جو فرض ہیں ان کے رکھنے میں مشقت اور پریشانی کا سامنا ہو سکتا ہے جبکہ شعبان کے روزے صرف مسنون ہیں فرض نہیں، اس لئے آپ اللہ نے امت مسلمہ پر رحمت و شفقت کرتے ہوئے نصف شعبان کے بعد صوم رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

البتہ یہ واضح رہے کہ جو شخص سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھتا ہے یا اس پر ماہ رمضان کی قضاء ہے تو اس کے لئے نصف شعبان کے بعد بھی روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس ماہ کی تیسری فضیات یہ ہے کہ اللہ تعالی لوگوں کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالی نصف شعبان کی رات کو مطلع ہو کر مشرک و کینہ پرور کے سوا پوری مخلوق کو معاف کر دیتا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ، سلسلہ صحیحہ : 1652 ؛ صحیح الجامع: 1819)

قارئین کرام! یہ تھی اس ماہ کی فضیلتیں اور اس ماہ میں ہمارے رہبر و قائد نبی کریم ﷺ کا وہ عمل جسے آپ کے سامنے احادیث کی روشنی میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اس ماہ کے تعلق سے رسول اکرم ﷺ کی سنت اور معمول جان لینے کے بعد اب آیئے دیکھیں کہ اس ماہ میں آپ کی اُمت کا کیا عمل ہے؟ جب ہم امت مسلمہ کے اعمال پر نظر ڈالتے ہیں تو بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دوسرے مہینوں کی طرح اس مہینہ میں بھی بہت سارے ایسے اعمال انجام دیئے جاتے ہیں جن کا نبی کریم ﷺ کے کے اعمال و سنن سے دور دور کا واسطہ نہیں ہے، آنے والی سطروں میں انہیں اعمال کا تذکرہ پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

شب برأت اور اس کی حقیقت

اس ماہ کی 15 ویں رات کو شب برات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حالانکہ شب براءت کا لفظ کسی بھی صحیح

حدیث میں وارد نہیں ہوا ہے۔ احادیث میں شعبان کی پندرہویں رات کہا گیا ہے، کچھ علماء اس رات کی شب قدر جیسی فضیلتیں بیان کرتے ہیں، یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ اس رات پورے سال میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ روزیوں میں اضافہ ہوتا ہے، عمریں بڑھائی جاتی ہیں، انہیں من گھڑت فضائل کے پیش نظر لوگ رات بھر جاگ جاگ کر دعائیں کرتے ہیں، اس رات انفرادی و اجتماعی عبادتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، آتش بازیاں کی جاتی ہیں، پٹاخے بجائے جاتے ہیں، مسجدوں کو چراغاں کیا جاتا ہے، قبروں کی اجتماعی زیارت کی جاتی ہے، پورے خاندان کے لوگ ایک ساتھ قبرستان جاتے ہیں، وہاں پھول چڑھاتے ہیں، قرآن کریم یا اس کی بعض سورتوں کی تلاوت کرتے ہیں، بیوہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ان کے شوہروں کی روحیں اس رات دنیا میں واپس آتی ہیں، اس لئے بہترین قسم کے پکوان تیار کر کے ان کا انتظار کرتی ہیں۔ ہانڈیوں کے ڈھکن کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ روحوں کو کھانا تناول کرنے میں کسی قسم کی مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، روحیں آتے ہی فوراً کھانے میں مصروف ہو جائیں، کئی سالوں سے جو بھوکی پیاسی ہوتی ہیں یہ کتنی خلاف عقل بات ہے کہ روحیں آسمان وزمین کی ساری بندشوں اور رکاوٹوں کو چیرتے ہوئے اپنے گھروں کو تو آجاتی ہیں لیکن ڈھکن جیسی معمولی چیز کھولنے کی طاقت ان کے پاس نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے پہلے ہی ان کے ڈھکن کھول دیئے جاتے ہیں۔

شب برات کی فضیلت میں قرآن کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ ۚ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ﴾

”ہم نے اسے (قرآن کریم) کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہم لوگوں کو ڈرانے والے ہیں۔“ (سورۃ الدخان:3)

حالانکہ ان کا یہ قول سراسر غلط و بے بنیاد ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے اس آیت میں جس رات کو مبارک رات کہا ہے، وہ رمضان کی شب قدر ہے نہ کہ شب برأت۔ کیونکہ قرآن مجید کا نزول ماہ رمضان میں ہوا ہے نہ کہ شعبان کے مہینہ میں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾

”رمضان تو وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔“ (سورۃ البقرۃ:185)

دوسری جگہ اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ٥ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ٥ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾

”ہم نے اسے (قرآن کریم کو) شب قدر میں نازل فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے، شب قدر میں ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔“ (سورۃ القدر:1۔3)

اس سے بڑھ کر بابرکت رات کیا ہوگی کہ جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہو، ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ سورۃ الدخان کی آیت نمبر تین میں جس مبارک رات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد شب قدر ہے نا کہ شب برأت۔ بلکہ اس سے شب برأت مراد لینا قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ کی تکذیب ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں وضاحت و صراحت کے ساتھ فرمایا گیا کہ اس کا نزول ماہ رمضان میں ہوا ہے۔ صحیح حدیث میں بھی وارد ہے کہ جتنی بھی آسمانی کتابیں لوگوں کی رشد وہدایت کے لئے اتاری گئیں سب ماہ رمضان ہی میں نازل کی گئی ہیں۔

سیدنا واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”صحف ابراہیم رمضان کی پہلی رات، توراۃ ساتویں، انجیل چودھویں، زبور انیسویں اور قرآن پچیسویں رات میں نازل کیا گیا۔“ (مسند احمد؛ سلسلہ صحیحہ:1575 ؛ صحیح الجامع: 11497)

شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت میں گناہوں کی مغفرت کے حوالہ سے سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی جو حدیث بیان ہوئی ہے اس سے کسی عبادت کا ثبوت نہیں ملتا ہے کیونکہ کسی دن یا رات کی فضیلت ثابت ہو جانے سے کسی خاص عبادت کا کرنا ثابت نہیں ہوتا ہے، جس طرح فضیلت ثابت کرنے کے لئے دلیل چاہیے، ٹھیک اسی طرح عبادت ثابت کرنے کے لئے بھی دلیل چاہیئے۔ مثال بہت ہی واضح ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جمعہ مبارک کو سب سے بہتر دن قرار دیا ہے، وہ سارے دنوں کا سردار ہے اس کی بہت ساری خصوصیات فضیلتیں ہیں، اس دن سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اسی دن انہیں جنت سے نکالا گیا، اسی دن قیامت بھی قائم ہوگی، اس دن ایک ایسی گھڑی ہے اس وقت بندہ جو سوال کرتا ہے اللہ اسے ضرور دیتا ہے لیکن کوئی شخص صرف جمعہ کے دن یہ کہہ کر روزہ نہیں رہ سکتا کہ یہ بہت افضل دن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ انسان جمعہ کے دن جمعہ کی نماز پڑھتا ہے اس کے علاوہ کوئی اور عبادت انجام نہیں دیتا ہے۔ اب اگر کوئی جمعہ کی فضیلتیں کو دیکھتے ہوئے اس دن 50 اس رکعت نماز پڑھے تو اس کا یہ عمل ہمارے نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف ہو گا، اسی طرح اگر کسی رات کو عبادت کے لئے خاص کرنا جائز ہوتا تو جمعہ کی رات سب سے بہتر رات تھی، لیکن نبی کریم ﷺ نے

جمعہ کی رات کو اس کے دن کی فضیلتوں کے باوجود عبادت کے لئے خاص کرنے سے منع فرمایا۔
صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے جمعہ کی رات کو عبادت کے لئے خاص مت کرو، وہی مثال پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت کی ہے، جس نبی اقدس ﷺ نے پندرہویں شعبان کی فضیلت بیان کی اس نبی نے اس رات کسی خصوصی عبادت کا اہتمام نہیں کیا۔ اگر یہ عبادت جائز ہوتی تو ضرور نبی کریم ﷺ پڑھتے وہ ہم سے زیادہ خیر و نیکی کے حریص اور متلاشی تھے اور جہاں تک لوگوں کی مغفرت کی بات ہے تو یہ صرف شعبان کی پندرہویں رات کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ تو ہر دن ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ اللہ رب العالمین روزانہ آخری تہائی رات میں آسمانِ دنیا پر آتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے پھر میں اس کی دعا کو قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے دوں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے پھر میں اس کی مغفرت کر دوں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ گناہوں کی مغفرت کا کام ہمیشہ ہوتا رہتا ہے جسے صرف شب برات کے ساتھ خاص کر دینا اللہ کی وسعت رحمت کو تنگ کرنے کے سوا کچھ نہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ شب برات کا مسلمانوں سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اس بدعت کے موجد شیعہ و روافض ہیں، ان کے عقیدہ کے مطابق چودہویں شعبان ان کے بارہویں امام غائب حسن عسکری کی ولادت کا دن ہے، جس کی خوشی میں حلوہ پکاتے ہیں گھروں کا چراغاں کرتے ہیں، پٹاخے چھوڑتے ہیں اور پندرہویں شعبان یعنی شب براٗت کو اپنے مزعومہ امام غائب کے نام چٹھیاں لکھ کر دریاؤں اور نہروں میں ڈالتے ہیں۔ چٹھیوں میں مسلمانوں کے موجودہ قرآن سے برات یعنی بیزاری کا اعلان کیا جاتا ہے اور امام غائب سے ان کا اپنا قرآن جلد از جلد لے کر آنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ یہ ہے اس قبیح بدعت کا اصلی روپ جسے مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے رافضیوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے دندان مبارک کی شہادت کے افسانے پھیلائے اور اس رات کے فضائل گھڑے۔ (بدعات اور ان کا تعارف، سعید بن عزیز بن یوسف زئی: ص 27)
اس لئے ہم سنی مسلمانوں کو چاہیے کہ اس درآمد شدہ بدعت سے فوراً توبہ کر لیں۔

حلوہ خوری کی بدعت

شب برات میں حلوہ کھانے کی رسم بھی بڑے زور وشور کے ساتھ منائی جاتی ہے جس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ غزوہ احد میں آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، تکلیف کے باعث آپ کھانا کھانے سے قاصر تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے حلوہ تناول فرمایا تھا، آپ کی اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس رات حلوہ خوری کی جاتی ہے، اس دلیل پر حلوہ خوروں کی پوری عمارت قائم ہے۔ دین اسلام میں کسی رات یا کسی دن کسی مخصوص کھانے کی نہ کوئی ترغیب ہے اور نہ ہی حکم۔ انسان اپنی مرضی کے مطابق اپنی صحت کا خیال رکھتے ہوئے جس دن جو کھانا چاہے کھا سکتا ہے، شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے، شرط صرف یہ ہے کہ وہ حلال ہو حرام نہ ہو۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات بالکل بے بنیاد ہے اس لئے کہ غزوہ احد شوال 3 ہجری میں پیش آیا تھا نہ کہ شعبان کے مہینہ میں، یہ کتنی خلاف عقل بات ہے کہ دندان مبارک ماہ شوال میں شہید ہوں اور حلوہ کھانے کی سنت ماہ شعبان میں ادا کی جائے وہ بھی صرف ایک دن، ایسا تو نہیں ہے کہ آپ نے صرف ایک دن حلوہ کھایا پھر آپ کی تکلیف ختم ہو گئی بلکہ کئی دنوں تک آپ کو کھانے کی ضرورت پڑی ہو گی پھر ایک ہی دن یہ سنت کیوں ادا کی جاتی ہے اور اگر سنت سے اتنی محبت ہے تو پہلے دانت تڑوائے جائیں پھر حلوہ کھائیں اور جہاں تک مسجدوں کو چراغاں کرنے کی بات ہے تو وہ سراسر فضول خرچی ہے اور قرآنی آیت کے بموجب فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾

"بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔" (سورۃ الاسراء: 27)

نیز چراغاں کرنا پٹاخے وغیرہ چھوڑنا مجوس (آتش پرستوں) کا فعل ہے جس سے مسلمانوں کو احتراز کرنا چاہیے اور اپنی دولت اللہ کی راہ میں صرف کرنی چاہیے۔ چراغاں کرنا اس لئے بھی درست نہیں ہے کیونکہ اسے انسان عبادت سمجھ کر کرتا ہے، جس کے کرنے پر اسے اجر کی امید ہوتی ہے۔
اور یہ عقیدہ کہ روحیں واپس آتی ہیں یہ قرآن وحدیث کے متصادم عقیدہ ہے، مرنے کے بعد کسی کی روح دنیا میں واپس نہیں آتی ہے۔
ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

"اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے اس دن تک کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں۔" (سورۃ المؤمنون: 100)

یعنی اللہ تعالیٰ نے روحوں کو دنیا میں واپس آنے کے رستہ میں روک لگا رکھی ہے اگر میت فاسق وفاجر ہے تو اس کی روح سجین اور اگر نیک ہے تو علیین میں یا پرندوں کے پیٹ میں رہتی ہے یا جنت میں یا کسی اور جگہ رہتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:
"قیامت کے دن سب سے پہلے میں اٹھوں گا۔"
(صحیح بخاری 2412؛ صحیح مسلم 2374)
روحوں کے دنیا میں آنے کا عقیدہ کفار ومشرکین کا ہے، دین اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسی

طرح کسی نئی روح کا جنم بھی نہیں ہوتا ہے، قیامت تک جتنی روحیں پیدا ہونے والی تھیں، وہ ساری روحیں اللہ رب العالمین نے عالم ارواح میں پیدا کر دی تھیں، عالم ارواح کا مطلب ہی ہے روحوں کی دنیا۔ وہاں جسم کا وجود نہیں تھا اور یہ دنیا جسم وروح کی دنیا ہے اب کسی نئی روح کی تخلیق ہوتی ہے نا ہی کسی کا نیا جنم ہوتا ہے۔

صلاۃ الفیہ (ہزاری نماز) کی حقیقت

شب برات میں جہاں بہت ساری بدعات و خرافات کی جاتی ہیں، انہی میں سے وہ صلاۃ بھی ہے جسے صلاۃ الفیہ کہا جاتا ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ صلاۃ 100 رکعتوں پر مشتمل ہے، ہر رکعت میں 10 مرتبہ سورت الاخلاص پڑھی جاتی ہے، اس طرح اس کے پڑھنے کی تعداد ایک ہزار ہو جاتی ہے اس لئے اسے صلاۃ الفیہ کہا جاتا ہے۔ یہ صلاۃ تکمیل اسلام کے 500 سال بعد ایجاد کی گئی ہے جو عبادت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تکمیل فرمادی تو اس نئی عبادت کو دین کا حصہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ علامہ طرطوشی رحمہ اللہ اپنی کتاب الحوادث والمبدع صفحہ نمبر 121-122 میں اس بدعت کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس بدعت کا موجد نابلس (فلسطین کا ایک مشہور شہر) کا ابن ابی الحمراء نامی ایک شخص ہے جو سن 448 ہجری میں بیت المقدس آیا وہ بہت اچھی تلاوت کرتا تھا، وہ پندرہویں شعبان کو مسجد اقصی میں صلاۃ پڑھنے لگا، اس کی میٹھی آواز سن کر اس کے پیچھے ایک جماعت ہوگئی، پھر جب وہ اگلے سال آیا تو اس کے ساتھ بہت سارے لوگوں نے صلاۃ ادا کی اس طرح اس کی کافی شہرت ہوگئی، پھر بعد میں لوگوں نے اسے سنت کا درجہ دے دیا۔"

یہ ہے اس بدعت کی حقیقت جو نہ آپ ﷺ کی سنت ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین وصحابہ کرام یا تابعین عظام کی بلکہ یہ ایک مجہول شخص کی ایجاد کردہ ایسی بدعت ہے جسے ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام نے بدعت وناجائز قرار دیا ہے اور اس کی فضیلت میں جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں اسے تمام محدثین عظام وعلماء کرام نے موضوع قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر یہ بڑا کرم کیا کہ دین کی تکمیل فرمادی، تکمیل دین کے بعد ہی آپ ﷺ کی وفات ہوئی اور آپ ﷺ نے ہر نیک کام کی رہنمائی فرمادی ہے، دنیا میں کوئی ایسی خیر نہیں ہے جس کی نبی کریم ﷺ نے رہنمائی نہ فرمائی ہو۔ ماہ شعبان میں کئے جانے والے اعمال اگر خیر ہوتے تو آپ ﷺ خود اس پر عمل کرتے اور پھر اس کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتے۔ آپ کے جانثار صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین عمل کرتے، جن کی سنتوں کو لازم پکڑنے کی آپ ﷺ نے تلقین ووصیت فرمائی ہے۔ اب آپ ﷺ کی وفات کے بعد جو بھی عمل ایجاد کیا جائے گا وہ بدعت شمار ہوگا وہ عمل کرنے والے کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ قرآن وحدیث میں بدعت کی مذمت میں بکثرت نصوص وارد ہیں، ایک مسلمان اگر سنت پر عمل نہیں کرسکتا، تو کم سے کم بدعت سے اجتناب اس کے لئے ضروری ہے، کیونکہ سنت پر عمل نہ کرنے سے گناہ نہیں ہوگا، البتہ بدعت کرنے سے ضرور گناہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق بات قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

استاذ الاساتذہ والشعراء حضرت ابو البیان حماد العمری چل بسے

ہزاروں تلامذہ کے استاد درس نظامی اور استاد شاعری حضرت ابو البیان محمد عبد الرحمٰن خان حماد عمری گزشتہ دنوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ 75 سال مسلسل جامعہ دار السلام عمر آباد جنوبی ہند میں تعلیم دیتے رہے۔ شمسی اعتبار سے ان کی عمر 99 سال اور قمری اعتبار سے 102 سال تھی۔ تقریباً ساری زندگی وہ باہوش وحواس تھے اور ان کا حافظہ بہت ہی قوی تھا۔ آخر وقت تک وہ اپنے شاگردوں اور اپنے بچوں کو وعظ ونصیحت کرتے رہے، وہ جمعیت ابنائے قدیم جامعہ دار السلام عمر آباد کے صدر اور ماہانہ راہ اعتدال کے سرپرست رہے۔ برطانیہ میں مولانا عبد الهادی العمری، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، مولانا عبد الباسط عمری، مولانا محمد عبد الحق عمری مدنی، مولانا رشاد احمد اعظمی عمری، عبد الرؤف عمری ریاضی، مولانا جمال انور اعظمی مدنی اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب عمری جمعیت ابنائے قدیم میں شامل ہیں، ان تمام نے استاذِ محترم کی وفات پر یہ کہا کہ "آج ہم اپنے آپ کو روحانی اعتبار سے یتیم محسوس کر رہے ہیں۔"

مسجد محمدی برمنگھم میں مولانا حفیظ اللہ خان المدنی نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک تھے اور بعد نماز جمعہ ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے جامع مسجد ڈڈلی میں استاد مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔ جس میں بہت سے حضرات وخواتین شامل نماز جنازہ تھے۔ استاد محترم کے حق میں دعا کی گئی کہ اللہ پاک ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

استاذ محترم سے تین دن قبل علامہ شاکر نائطی کے فرزند مولانا حافظ ظفر الحق طالب نائطی عمری، عمر آباد میں وفات پاگئے۔ ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم (2)

موجودہ جمہوریہ ترکی کی مجلس اعلیٰ برائے دینی امور کے فتاویٰ کی جلد شائع ہوئی ہے۔ جس میں مذہب احناف کے مطابق نماز جنازہ ادا کرنے کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے:

"نماز جنازہ بغیر رکوع کے ہے اور اس کے دو رکن ہیں: قیام اور تکبیرات

تکبیرات افتتاح کے بعد اس میں چار تکبیرات ہیں اور سلام پھیرنا واجب ہے۔ اور اس کی سنتیں ہیں: حمد وثناء اللہ تعالیٰ کے لیے اور نبی کریم ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھنا اور میت کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا۔ نماز میں تمام جماعت قبلہ رخ کھڑے ہوں، امام کے پیچھے صف باندھیں اور پھر دعا استفتاح (سبحانك اللّٰهُمَّ وبحمدك ...) پڑھیں اور اس کے آخر میں اضافہ کریں: وجلّ ثناؤک

اور پھر بغیر ہاتھ اٹھائے دوبارہ تکبیر کہیں اور یہ دعا پڑھیں:

اللّٰهُمَّ صل علی محمد ....وبارك ...اور پھر بغیر رفع یدین کے تیسری تکبیر کہیں اور جو جنازہ کی دعا جانتا ہو تو وہ دعا پڑھے اور جو نہ جانتا ہو تو دعاء کی نیت سے فاتحہ پڑھے یا کوئی اور دعا پڑھے، پھر چوتھی تکبیر کہیں اور دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیریں اور اس عمل سے نماز پوری ہو جاتی ہے۔"

(حاشیہ پر صحیح مسلم کا ایک اور سنن ترمذی کے چار حوالے ہیں۔)(الفتاویٰ: ص 221)

شیخ وہبہ الزحیلی نے اپنی کتاب 'الفقہ الاسلامی وادلتہ' میں حنفی، مالکی اور شافعی مذہب کو یوں بیان کیا ہے:

مالکی مذہب: نماز جنازہ میں فاتحہ کی قراءت نہیں ہے لیکن وَرَع کا تقاضا ہے کہ اختلاف کا لحاظ رکھا جائے۔

اور احناف کے نزدیک فاتحہ کی قراءت، تلاوت کی نیت کے ساتھ ہو تو مکروہ تحریمی ہے لیکن دعا کی نیت کے ساتھ جائز ہے۔

مالکیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے اور دوسروں کے نزدیک وہ رکن ہے۔ شوافع کے نزدیک دعائے استفتاح (یعنی ثناء) نہ پڑھے کیونکہ یہ نماز تخفیف پر مبنی ہے اور اسی لیے اس میں فاتحہ کے بعد سورت نہیں رکھی گئی ہے۔ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ: 2/ 1519-1523)

مذہب احناف کے بارے میں تفصیلی نقول کا بیان ہو گیا۔ معاملہ چونکہ نماز کے صحیح یا فاسد ہونے کا ہے، یعنی ایک رائے (جیسے شوافع، حنابلہ، اہل الحدیث) کے مطابق نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا لازمی ہے اور یہی طریقہ رسول (یعنی سنت) رہا ہے اور دوسری رائے کے مطابق سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی، صرف حمد وثنا پر اکتفا کیا جائے گا، لیکن اگر فاتحہ دعا کی نیت سے پڑھ بھی لی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (احناف اور مالکیہ)

یہاں تک تو بات دائرہ استدلال تک محدود تھی، لیکن پھر جب یہ کہا گیا کہ اگر فاتحہ تلاوت کی نیت سے پڑھی گئی تو مکروہ ہو گئی۔ مالکیہ نے مکروہ تنزیہی کہا لیکن بعض علماء احناف کی تصریح کے مطابق وہ مکروہ تحریمی قرار دے دی گئی، تو یہ بات یقیناً محل نظر ہے۔

بالکل واضح ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین اور پھر ائمہ عظام میں دو رائیں رہی ہیں، پہلی رائے یعنی نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی جائے کے قائلین میں سے مندرجہ ذیل ہستیاں ہیں، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا ابو امامہ، سیدنا ام شریک الانصاریہ، سیدنا فضالہ مولی عمر، سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابو الدرداء، سیدنا انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہم، سیدنا المسور بن مخرمہ، سیدنا الضحاک، سیدنا خبیب بن مسلمہ، سیدنا الحسن بن علی، سیدنا عبد اللہ بن الزبیر، سیدنا حسن بصری، سیدنا سعید بن المسیب، سیدنا مکحول، سیدنا مجاہد، سیدنا محمد بن شہاب الزہری اور ائمہ میں سے امام شافعی، امام احمد، اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم۔

اور دوسری رائے یعنی نماز جنازہ میں صرف ثناء پڑھی جائے کے حاملین میں سے ہیں:

سیدنا علی، سیدنا ابو ہریرہ (بروایت مؤطا امام مالک) سیدنا ابو بردہ، امام الشعبی، امام سفیان ثوری، امام محمد بن سیرین، امام ابو العالیہ، امام فضالہ بن عبید، امام عطاء، امام ابو الحسین، امام طاؤس، امام بکر بن عبد اللہ، امام میمون، امام سالم، اور ائمہ میں سے امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم

اب ہم سنت کے ذخیرہ میں سے قدیم ترین مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہوئے ائمہ کی اصلی آراء کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

1۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 179ھ) نے مؤطا میں صرف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے کہ جس میں صرف دعا مغفرت (اللّٰهُمَّ اغفر لیحنا ومیتنا) کا ذکر ہے۔

اور پھر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کا ذکر ہے

کہ وہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں کرتے تھے۔(مؤطا، اثر نمبر:260)

البتہ مدونہ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ سورۃ الفاتحہ پڑھنے پر ہمارا عمل نہیں ہے اور اس بنیاد پر متاخرین فقہاء مالکیہ نے سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔

2۔ امام محمد بن حسن الشیبانی (متوفی 189ھ) نے کتاب الآثار میں ابراہیم النخعی کے تین آثار پیش کیے ہیں:

نمبر 234: جنازے میں کوئی قراءت نہیں، نہ رکوع، نہ سجود لیکن دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرے جب تکبیر سے فارغ ہو۔

امام محمد نے کہا: اور ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔

نمبر 235: میت پر نماز میں کوئی موقت شئے نہیں ہے۔ لیکن جب نماز شروع کرو تو اللہ کی حمد بیان کرو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ (درود) بھیجو اور پھر اپنے لیے اور میت کے لیے جو پسند ہو، وہ دعا کرو۔

نمبر236: پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی ثنا، دوسری کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ اور تیسری کے بعد میت کے لیے دعا اور چوتھی کے بعد سلام پھیرو۔

3۔ امام شافعی (متوفی 204ھ) کتاب الام میں تحریر کرتے ہیں:

573۔ امام شافعی نے کہا: اور ہم کہتے ہیں کہ (امام) جنازے پر چار تکبیریں کہے، پہلی تکبیر کے بعد ام القرآن پڑھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر میت کے لیے دعا کرے۔

اور کچھ لوگوں نے کہا: جنازے کی نماز میں وہ نہ پڑھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب ہم نماز جنازہ پڑھتے ہیں، ہم یہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کی ادائیگی میں کیا سنت تھی اور اسی لیے اگر ہمیں اس بارے میں کوئی سنت ملتی ہے تو ہم اس کی اتباع کرتے ہیں، دیکھیے! اگر کوئی یہ کہے کہ تم جتنی تکبیریں کہتے ہو، میں اس سے زائد کہوں گا کیونکہ وہ فرض تو نہیں ہیں، یا یہ کہے کہ میں سرے سے تکبیر نہیں کہوں گا اور صرف میت کے لیے دعا کروں گا، تو ہمارے پاس (اس کی بات رد کرنے کے لیے) سوائے اس کے اور کیا دلیل ہو گی کہ تم نے سنت کی مخالفت کی ہے اور اسی طرح جو کہے کہ اس (نماز میں) قراءت نہیں ہے تو پھر (یہی کہا جائے گا) کہ یہ شخص وہ ہے جسے اس بارے میں سنت کا علم نہ ہوا، اور پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نمبر 574 سے لے کر 579 تک نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے سے متعلق وہ احادیث اور آثار پیش کیے جو سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا طلحہ بن عبد اللہ بن عوف، سیدنا سعید بن ابی سعید المقبری، سیدنا ابو امام اور سیدنا الضحاک بن قیس سے مروی ہیں۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں:

"لوگ اپنے امام کی اقتدا کرتے ہیں، وہی کچھ وہ کرتے ہیں جو وہ کرتا ہے اور سیدنا ابن عباس اور سیدنا الضحاک بن قیس صحابہ میں سے دو اشخاص ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ یہ بات سنت ہے تو ان شاء اللہ وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد لیتے ہیں۔

اور پھر نمبر 580 کے تحت وہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔(الام: ص208)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مرکزی استدلال یہ ہے:

1۔ نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے پر اتنی روایات ہیں کہ اس کے مقابلے میں جن صحابہ یا تابعین کے بارے میں یہ وارد ہوا ہے کہ وہ نہیں پڑھتے تھے، تو ان کے بارے میں یہ حسن ظن رکھنا چاہتے کہ انہیں سنت رسول کا علم نہیں ہوا۔

2۔ یہ بھی ایک اصولی قاعدہ ہے کہ المثبت مقدم علی النافي

کہ جو شخص کسی بات کا اثبات کر رہا ہے تو اس کی بات کو نفی کرنے والے پر فوقیت دی جائے گی۔

3۔ عبادات کے بارے میں سنت کا جاننا ضروری ہے، اگر سنت سے کوئی بات معلوم ہو جائے تو پھر چوں چناں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

4۔ صحابی اگر یہ کہہ دے کہ یہ بات سنت ہے تو اسے سنت رسول ہی سمجھا جائے گا۔

4۔ امام طحاوی (متوفیٰ 321ھ) کی معانی الآثار میں کتاب الجنائز سے متعلق گیارہ ابواب ہیں:

لیکن ان میں ایک باب بھی قراءت سے متعلق نہیں ہے۔

کل احادیث و آثار کی تعداد 221 کے لگ بھگ ہے۔

البتہ 'باب التكبير على الجنائز كم هو' (جنازے پر کتنی تکبیریں ہیں؟) میں نمبر 2868 کے تحت وہ سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف (جس کا ذکر تیسری دلیل کے طور پر آ چکا ہے) کی روایت درج کرتے ہیں لیکن اس میں فاتحۃ الکتاب پڑھنے کا ذکر ہے۔

پوری روایت ابن ابی داؤد، ابو الیمان، شعیب، الزہری کی سند کے ساتھ یوں ہے کہ مجھے ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے بتایا اور وہ انصار کے علماء اور برگزیدہ لوگوں میں سے تھے اور ان لوگوں کی اولاد میں سے تھے جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، کہ مجھے اللہ کے رسول کے صحابہ میں سے ایک شخص نے بتایا کہ

نماز جنازہ کی سنت میں سے ہے کہ امام تکبیر کہے اور پھر سری طور پر سورۃ الفاتحہ پڑھے اور پھر تین تکبیروں کے ساتھ نماز ختم کر دے۔ اور نمبر 2869 میں یہ اضافہ ہے:

الزہری کہتے ہیں کہ یہ بات جو ابو امام نے مجھے بتائی

میں نے محمد بن سوید الفہری سے ذکر کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے الضحاک بن قیس کو یہ کہتے سنا ہے کہ انہوں نے ابوامامہ کی یہی بات حبیب بن مسلمہ سے روایت کی ہے۔"

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اثر لانا کہ جس میں فاتحہ پڑھنے کا صراحتہً ذکر ہے وہ واحد حدیث ہے جو وہ جنازے سے متعلق تمام موضوعات کے ضمن میں لائے ہیں اور اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ متقدمین احناف کا اس بارے میں کیا مسلک تھا۔

5۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے 15 مسانید منسوب ہیں لیکن ان کی تدوین بہت بعد میں کی گئی ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی 15 مسانید کے جامع ہیں۔

ابو المؤید الخوارزمی (متوفیٰ 566ھ) یا پھر الحصکفی (قاضی صدر الدین موسیٰ بن زکریا، متوفیٰ 650ھ) جنھوں نے مسند الامام الاعظم کے نام سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کو جمع کیا ہے لیکن ان دونوں مسانید میں جہاں صلاۃ الجنازہ کا ذکر ہے وہاں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ذکر کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللّٰهُمَّ اغفر لحينا وميتنا ... الخ

اور یا پھر امام صاحب کی سند کے ساتھ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

من السنة أن تحمل بجوانب السرير الأربع فما زدت على ذالك فهو نافلة

"اور سنت میں سے ہے کہ تم (جنازے کی) چارپائی کو چاروں پایوں سے پکڑو، اور اگر اس سے زائد بھی پکڑا تو وہ نفل شمار ہو گا۔"

(خورازمی: مخطوطہ کا ورق نمبر: 151) اور الحصکفی: ص 100)

مسند الامام الاعظم پر محمد حسن سنبلی کا حاشیہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ان کی سند میں عبید بن نطاس، ابو عبیدہ سے اور وہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں:

"جو شخص جنازہ کے ساتھ آتا ہے تو اسے چارپائی کے چاروں کونوں کو پکڑنا چاہیے اور یہ بات سنت میں سے ہے۔"

افسوس ہے کہ امام صاحب سے منسوب ان دونوں مصادر میں نماز جنازہ میں قراءت کی بابت اس سے زیادہ کچھ بیان نہیں کیا گیا ہے۔

6۔ مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ (متوفیٰ 235ھ) تقریباً اکثر مسائل میں دونوں متضاد آراء سے متعلق آثار پیش کر دیتے ہیں۔

فاتحہ کے جواز سے متعلق انہوں نے 11 آثار پیش کیے ہیں جن میں کچھ کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے اور مانعین کے اسماء کے ساتھ 12 آثار پیش کیے ہیں۔

7۔ امام احمد (ف 241ھ) اور پھر کتب ستہ (بخاری، مسلم، ابو داوٗد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور الحاکم (متوفیٰ 405ھ) مؤلف المستدرک کے حوالہ جات کا بھی ذکر ہو چکا ہے۔

ہمارے خیال میں ان چار صدیوں کے مصادر کا ذکر کافی ہے اور ان احادیث وآثار کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ نماز جنازہ میں الفاتحہ کا پڑھنا سنت نبوی ہے اور جس پر اکثر صحابہ کا عمل رہا ہے۔

متاخرین حنفیہ نے اسے مکروہ تحریمی کہا جس پر ہم آخر میں مستقل کلام کریں گے لیکن یہاں مصر کے ایک مشہور ومعروف حنفی فقیہ شرنبلالی (ابو البرکات حسن بن عمار بن یوسف (متوفیٰ 1069ھ) کا ذکر کرتا چلوں جنھوں نے اس مسئلہ میں جمہور کا ساتھ دیا ہے اور نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کے جواز میں 34 صفحات کا ایک رسالہ بعنوان 'النظم المستطاب لحکم القراءۃ فی صلاۃ الجنازۃ بام الکتاب' تالیف کیا ہے اور اس میں انہوں نے حنفیہ کے تمام اعتراضات، اشکالات اور دلائل کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ ہم مناسب سمجھیں گے کہ ان کے دلائل کو یہاں بالاختصار بیان کرتے چلیں۔

صاحب کتاب نے جن اعتراضات کا جواب رقم کیا ہے، انہیں ان 10 نقاط میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ نماز جنازہ سجدہ تلاوت کی مانند ہے۔

2۔ ابن مسعود کے قول کا کیا مطلب ہے؟

3۔ ابن عوف اور ابن عمر کے قراءت نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟

4۔ سیدنا جابر کی حدیث کی تاویل کرنا کہاں تک درست ہے؟

5۔ قول: نماز جنازہ صرف دعا اور استغفار ہے، کہاں تک درست ہے؟

6۔ صحابی کا کہنا کہ 'یہ بات سنت ہے' کا کیا مطلب ہے؟

7۔ صاحب 'الکافی' کا یہ قول کہ یہ ایک لحاظ سے تو نماز ہی ہے۔

8۔ صاحب 'النتف' کا یہ قول ہے کہ یہ حقیقی اعتبار سے نماز ہے۔

9۔ الصاغانی کا قیاس سے استدلال کرنا کہاں تک درست ہے۔

10۔ امام مالک کا قول بابت عمل اہل مدینہ۔

(اگلی قسط میں ان 10 نقاط کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔)

(جاری ہے)

☆☆☆

ایامِ مخصوصہ (حیض) اور نفاس و جنابت میں عورت قرآن کریم کی تلاوت کر سکتی ہے یا نہیں؟ نیز اس حالت میں اس کا قرآن کو چھونا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ کوئی جواز کا قائل ہے اور کوئی عدمِ جواز کا۔ اس میں عدمِ جواز (نہ پڑھنے والا) مسلک سب سے زیادہ مشہور ہے اور دوسرے موقفوں پر لوگ حیرت و استعجاب کا بالعموم اظہار کرتے ہیں۔ جبکہ اس بارے میں بالعموم درج ذیل پانچ فقہی آرا ہیں:

1۔ حائضہ عورت کا قرآن پڑھنا اور اسے چھونا مطلقاً ناجائز اور ممنوع ہے۔

2۔ حائضہ عورت کا قرآن مجید پڑھنا اور اسے چھونا مطلقاً جائز ہے۔

3۔ ایک آدھ آیت کا پڑھنا جائز ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

4۔ حائضہ عورت قرآن پڑھ سکتی ہے، جنبی کا قرآن پڑھنا جائز نہیں۔

5۔ اس کی بابت منقول کراہت، کراہت تحریمی نہیں بلکہ کراہتِ تنزیہی ہے، یعنی اس حالت میں قرآن کریم پڑھنے اور چھونے سے بچنا بہتر ہے تاہم اگر ضرورت ہو تو جنبی مرد اور حائضہ عورت کے لیے قرآن پڑھنا اور اسے چھونا جائز ہے۔

یہی آخر الذکر پانچواں مسلک راجح ہے، جس کے دلائل آگے آئیں گے۔

عدمِ جواز کے قائلین کے دلائل

1۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَقْرَأِ الحَائِضُ، وَلَا الجُنُبُ شَيْئًا مِنَ القُرْآنِ»(جامع ترمذی: 131)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”صحابہ و تابعین اور مابعد کے اکثر اہل علم کا، جیسے: سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ ہیں، قول ہے کہ حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں، البتہ کوئی حرف یا آیت کا کوئی حصہ پڑھ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے ان کو تسبیح و تہلیل کی اجازت دی ہے۔“

اس روایت کی سند کے بارے میں خود امام ترمذی نے یہ صراحت کی ہے: ”میں نے محمد بن اسماعیل (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اسماعیل بن عیاش اہل حجاز اور اہل عراق سے منکر روایات بیان کرتا ہے، گویا انہوں نے اس کی ان روایتوں میں اسے ضعیف قرار دیا ہے جو اہل حجاز و اہل عراق سے متفرد طور پر بیان کرتا ہے اور (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے) فرمایا کہ اسماعیل بن عیاش کی صرف وہ روایات قابل قبول ہیں جو وہ اہل شام سے بیان کرتا ہے... الخ“

اور زیر بحث روایت اسماعیل بن عیاش، موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتا ہے جو اہل حجاز میں سے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ اس حدیث کی حد تک ضعیف قرار پاتا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث کے بیان کرنے میں اسماعیل بن عیاش متفرد ہے اور اہل حجاز سے اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے جس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی، امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ حفاظ محدثین کا یہی قول ہے اور یہ روایت اس کے علاوہ دوسرے راوی سے بھی مروی ہے اور وہ بھی ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے سنا اور انہوں نے اسماعیل بن عیاش کی یہ حدیث ذکر کی اور کہا کہ اس نے غلطی کی ہے، یہ دراصل ابن عمر کا قول ہے۔“ (تحفۃ الأحوذی: 124/1)

”حائضہ عورت اور جنبی دونوں قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔“

اس روایت کو بعض حضرات نے اس کے کچھ متابعات کی بنیاد پر صحیح کہا ہے لیکن محدث عصر شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُنہیں بھی غیر معتبر قرار دے کر اس روایت کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ (إرواء الغلیل: 206/1)

بلکہ تعلیقاتِ مشکاۃ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اسے باطل کہا ہے۔ (مشكاة المصابيح بتحقيق الالباني: 134/1)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام طبری کے حوالے سے اس روایت کی بابت کہا: "ضعيف من جميع طرقه" (فتح الباری: 530/1)

”جتنے بھی طرق سے یہ روایت آتی ہے، سب ضعیف ہیں۔“

2۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كان ﷺ يقضي حاجته ثم يخرج فيقرأ القرآن ويأكل معنا اللحم ولا يحجبه، وربما قال: لا يحجزه من القرآن شيء ليس الجنابة. (رواه الخمسة) (إرواء الغليل: 241/2، رقم الحديث: 485)

”نبی ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر نکلتے تو

قرآن پڑھتے اور ہمارے ساتھ گوشت تناول فرماتے اور آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے میں سوائے جنابت کے کوئی چیز رکاوٹ نہ بنتی تھی۔"

اس روایت کی بابت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسے اصحاب السنن نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور بعض نے اس کے بعض راویوں کی تضعیف کی ہے اور حق بات یہ ہے کہ یہ روایت حسن کے قبیل سے ہے جو حجت کے قابل ہوتی ہے۔" (فتح الباری: 530/1۔ طبع دارالسلام، الریاض)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کی وجہ سے اکثر علماء اس روایت سے استدلال کرتے ہیں، لیکن شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کا رد کرتے ہوئے دیگر محدثین کی تائید سے اسکو ضعیف قرار دیا ہے۔

("اس حدیث کے بارے میں حافظ کی اس رائے سے ہم موافقت نہیں کرتے، اس لیے کہ مشار الیہ (ضعیف) راوی عبدا للہ بن سلمہ ہے اور تقریب التہذیب میں خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ترجمے میں کہا ہے "سچا ہے لیکن اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔" اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یہ حدیث اس کے اسی دور کی ہے جب اس کے حافظے میں خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ پس بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے جس وقت اس حدیث پر حسن ہونے کا حکم لگایا تو اس کا ترجمہ ان کے ذہن میں مستحضر نہیں رہا، واللہ اعلم۔ یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المجموع (159/2) میں جب یہ حدیث نقل کی اور امام ترمذی کی تصحیح بھی ذکر کی تو انہوں نے امام ترمذی کی رائے پر تعقب کیا اور کہا:

"امام ترمذی کے علاوہ دیگر حفاظ محققین نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

پھر انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ رائے نقل کی ہے جو امام منذری نے 'مختصر السنن' میں نقل کی ہے، جس میں دونوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ان محققین نے جو کہا ہے، وہی ہمارے نزدیک راجح ہے کیوں کہ اسے بیان کرنے میں عبد اللہ بن سلمہ متفرد ہے اور اس کی یہ روایت اس وقت کی ہے جب اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔" (إرواء الغلیل: 242/2)

امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کی جس عبارت کا حوالہ آیا ہے، اس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

"امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن مرۃ کے حوالے سے کہا ہے کہ عبد اللہ بن سلمہ ہمیں حدیث بیان کرتا ہے، کچھ کو ہم پہچانتے ہیں اور کچھ کو نہیں پہچانتے اور وہ سن رسیدہ ہو گیا تھا، اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ذکر کی اور فرمایا: اہل حدیث (محدثین) کے نزدیک یہ حدیث پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ثبوت میں جو توقف کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مدار عبد اللہ بن سلمہ کوفی پر ہے اور یہ سن رسیدہ ہو گیا تھا اور اس کی حدیث اور عقل میں کچھ نکارت محسوس کی گئی اور اس نے یہ حدیث بھی سن رسیدگی کے بعد ہی بیان کی ہے۔" (مختصر السنن للمنذری: 156/1)

3۔ تیسری حدیث جو مذکورہ حدیث کے متابع کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اسے علمائے معاصرین میں سے بعض نے صحیح اور بعض نے حسن کہا ہے، یہ مسند احمد (110/1) کی روایت ہے۔ اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا، پس آپ نے کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا اور اپنے دونوں ہاتھ اور دونوں بازو تین مرتبہ دھوئے، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے دونوں پیر دھوئے، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا۔ پھر قرآن کریم سے کچھ پڑھا اور فرمایا: یہ (قرآن کا پڑھنا) اس شخص کے لیے ہے جو جنبی نہیں ہے۔ رہا جنبی تو وہ ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکتا۔"

اس روایت کو بعض علماء نے صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ لیکن شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف راوی ابو الغریب (اور کہا ہے کہ اس کی سند میں ابو الغریب راوی ہے جس کی توثیق ابن حبان کے سوا کسی نے نہیں کی اور ابن حبان توثیق میں متساہل ہیں، اس لیے ان کی توثیق قابل اعتبار نہیں، بالخصوص جب کہ دیگر ائمہ کی رائے ان کے معارض ہو۔ ابو حاتم راوی نے اس کی بابت کہا ہے کہ کہ ابو الغریب مشہور نہیں۔ محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور یہ اصبغ بن نباتہ جیسے راویوں کا استاذ ہے اور اصبغ ابو حاتم کے نزدیک لین الحدیث اور دوسروں کے نزدیک متروک ہے، اس قسم کے راوی کی حدیث حسن بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ صحیح تسلیم کی جائے۔) کی وجہ سے اس سے بھی اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ

ثانیاً:... اگر یہ روایت صحیح بھی ہو، تب بھی اس کا مرفوع ہونا صریح نہیں۔

ثالثاً:... اس کا مرفوع ہونا بھی اگر صریح ہو تو یہ شاذ یا منکر ہے، اس لیے کہ عائذ بن حبیب اگرچہ ثقہ ہے لیکن ابن عدی نے اس کی بابت کہا ہے کہ اس نے کئی منکر روایات بیان کی ہیں۔

شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ مزید کہتے ہیں کہ

" یہ روایت بھی شاید انہی (منکر) روایات میں سے ہو، اس لیے کہ اس سے زیادہ ثقہ اور اس سے زیادہ حفظ و ضبط رکھنے والے راوی نے اسے حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بیان کیا ہے جو دار قطنی (رقم: 44) میں ہے۔ یہ موقوف روایت حسب ذیل ہے۔

ابو الغریف ہمدانی کہتے ہیں:

”ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ آپ نے پیشاب یا پاخانہ کیا، پھر آپ نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور اپنے ہاتھ دھوئے، پھر قرآن کے آغاز سے کچھ حصہ پڑھا، پھر فرمایا: جب تک تم میں سے کسی کو جنابت نہ پہنچے تو قرآن پڑھے، پس اگر جنابت پہنچے تو ایک حرف بھی نہ پڑھے۔“

امام دار قطنی فرماتے ہیں: ”یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے (موقوف) صحیح سند سے ثابت ہے۔“

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث مذکور «لَا يَحْجُبُهُ... الخ» کی متابع یہ روایت موقوف ہے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ علاوہ ازیں امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حدیث «لَا يَحْجُبُهُ الخ» (اگر صحیح بھی ہو تو) اس شخص کی دلیل نہیں بن سکتی جو جنبی کو قرآن پڑھنے سے منع کرتا ہے، اس لیے اس میں ممانعت کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ صرف حکایتِ فعل ہے۔“ (إرواء الغلیل: 2/243-244)

4۔ چوتھی روایت جس سے استدلال کیا جاتا ہے، وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں کا رخ مسجد نبوی سے پھیرنے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کا آنا جانا مسجد کے اندر سے نہ ہو بلکہ باہر سے ہو اور مسجد میں وہ صرف اسی وقت آئیں جب وہ پاک ہوں اور مسجد میں آنے کا مقصد نماز پڑھنا ہو۔ اس حکم کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی:

«فإني لا أحل المسجد لحائضٍ ولا جنبٍ»

”میں مسجد کو حائضہ عورت اور جنبی کے لیے حلال نہیں کرتا۔“ (سنن أبو داوٗد: 232) (یعنی مسجد کے اندر سے ان کے گزرنے کو جائز نہیں سمجھتا)

شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند پر بھی تفصیلی گفتگو کر کے اسے بھی ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ (إرواء الغلیل: 1/210، حدیث نمبر: 193؛ مشکاۃ المصابیح بتحقیق الالبانی: 1/211)

علاوہ ازیں یہ روایت قرآن کے بھی خلاف ہے۔ قرآن مجید کی آیت ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ (النساء: 43) سے جنبی کا مسجد سے گزرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت کی کچھ توضیح کر دی جائے۔

مذکورہ آیت کی مختصر وضاحت

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ، یہاں تک کہ اپنی بات سمجھنے لگو اور جنابت کی حالت میں (بھی) یہاں تک کہ غسل کر لو مگر یہ کہ راہ چلتے گزرو۔“ (اس صورت میں گزرنا جائز ہے۔)

آیت کا پہلا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب شراب کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب شراب حرام کر دی گئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ دوسرا حکم جنبی آدمی (عورت ہو یا مرد) کے لیے ہے کہ وہ مسجد میں جنابت کی حالت میں نہ جائیں، ہاں مسجد میں سے صرف گزرنا ہو تو جائز ہے لیکن وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا اور بیٹھنا ممنوع ہے۔ اس تفسیر کی رو سے صلاۃ (نماز) سے مراد موضع الصلاۃ (نماز پڑھنے کی جگہ) یعنی مسجد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نشے میں مدہوش شخص نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جائے نہ جنبی آدمی، جب تک غسل نہ کر لے۔ الاّ یہ کہ مسجد اس کا راستہ ہو تو اس صورت میں وہ مسجد میں سے گزر سکتا ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے اور اس تفسیر کی رو سے جنبی کے مسجد سے گزرنے کی اجازت نکلتی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی امام ابن جریر کی اس تفسیر کو نقل کر کے لکھا ہے:

"ومن هذه الآية احتج كثير من الائمة على أنه يحرم على الجنب اللبث في المسجد ويجوز له المرور وكذا الحائض والنفساء أيضا في معناه."

”اس آیت سے اکثر ائمہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جنبی کا مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے، البتہ اس کے لیے گزرنا جائز ہے اور حائضہ اور نفاس والی عورتیں بھی اسی حکم میں ہیں۔“

دوسرے مفسرین نے ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ سے مسافر مراد لیا ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جنبی آدمی بھی مسجد میں نہ آئے، ہاں اگر وہ مسافر ہو اور اسے پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

امام ابن جریر طبری وغیرہ مفسرین کے نزدیک پہلی تفسیر اس لیے زیادہ صحیح ہے کہ اس آیت میں اس کے بعد ہی مسافر کے لیے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنے کا حکم ہے۔ اگر ﴿إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ سے مراد مسافر لیا جائے تو پھر تکرار لازم آئے گی، اس لیے ﴿إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ سے مراد صرف گزرنے والا، راستہ عبور کرنے والا ہے۔

اس طرح اس آیت سے جنبی آدمی کا مسجد سے گزرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بنابریں مذکورہ حدیث سنداً ضعیف ہونے کے علاوہ قرآن کے بھی خلاف ہے۔

5۔ پانچویں دلیل، جس سے استدلال کیا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم کے نام لکھا تھا، اس میں فرائض و سنن، دیات اور صدقات وغیرہ کی تفصیل تھی، اس میں ایک بات یہ بھی تھی: «لا يمس القرآن إلا طاهر»

”قرآن کو وہی چھوئے جو پاک ہو۔“

اس روایت کی صحت میں بھی اگرچہ اختلاف ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسے دار قطنی نے عمرو بن حزم، عبد اللہ بن عمر اور عثمان بن ابی العاص سے مسند طور پر بیان کیا ہے لیکن ان میں ہر ایک کی سند محل نظر ہے۔" (تفسیر ابن کثیر: 315/4 زیر آیت الواقعہ :99، دارالسلام، الریاض، 1992)

تاہم محدثین کی اکثریت اس کی صحت کی قائل ہے۔ شیخ البانی نے بھی اسے مجموعی طرق کی بنیاد پر صحیح قرار دیا ہے۔ (إرواء الغلیل، حدیث نمبر: 122)

لیکن یہ روایت مسئلہ زیر بحث میں واضح نہیں ہے، اس لیے اسے بھی مدار استدلال نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ کیوں کہ اس میں طاہر (پاک شخص) کو قرآن مجید چھونے کی اجازت دی گئی ہے اور طاہر کا لفظ چار قسم کے افراد پر بولا جاتا ہے:

☆ جو 'حدثِ اکبر' (جنابت، حیض و نفاس) سے پاک ہو۔

☆ جو 'حدث اصغر' سے پاک ہو۔ (یعنی بے وضو نہ ہو)

☆ جس کے بدن پر ظاہری نجاست نہ ہو۔

☆ جو مومن ہو۔ (چاہے وہ جنبی ہو یا بے وضو)

اس آخری مفہوم کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ (التوبۃ: 28) "مشرک ناپاک ہیں۔" اس کا مفہوم دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ مومن پاک ہے، چاہے وہ کسی حالت میں بھی ہو۔ علاوہ ازیں حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

«إن المؤمن لا ينجس» (صحیح مسلم: 371) "مومن نجس (ناپاک) نہیں ہوتا۔" (یعنی وہ پاک ہوتا ہے)

اور نبی ﷺ نے یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمائی تھی، جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنبی تھے۔ جس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ مومن ہر حالت میں طاہر ہی ہوتا ہے، البتہ اس سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جن کی صراحت نص سے ثابت ہے، جیسے بے وضو یا جنبی آدمی کی بابت حکم ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھ سکتا، جب تک وہ وضو یا غسل نہ کر لے۔ لیکن اس کے علاوہ دیگر کاموں کے لیے وہ پاک ہی متصور ہو گا۔

اس کی مزید تائید ان احکام سے ہوتی ہے جو حائضہ عورتوں کی بابت دیے گئے ہیں، جیسے خاوند اس کے ساتھ لیٹ سکتا اور (شرم گاہ کے علاوہ) مباشرت کر سکتا ہے، اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے، اس کی گود میں لیٹے ہوئے قرآن پڑھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کا یہ عمل بیان فرمایا ہے۔ بلکہ ایک موقع پر نبی ﷺ نے مسجد میں ہوتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، جب کہ وہ ایام مخصوصہ میں تھیں:

"مجھے کپڑا (چادر) پکڑا دو۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: إني حائض "میں تو حیض کی حالت میں ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «إن حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ بِيَدِكِ» (صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الحیض تناول من المسجد: 298)

"تیرا حیض تیرے ہاتھوں میں نہیں ہے۔" (إرواء الغلیل: 212/1، رقم الحدیث: 194)

اس تفصیل سے یہ واضح ہے کہ طاہر کے چاروں معنوں میں سے یہ آخری معنی دوسرے دلائل کی رو سے زیادہ صحیح ہے، جب کہ دوسرے معانی اتنے قوی نہیں ہیں اور اس آخری معنی کی رو سے جنبی یا حائضہ کا قرآن پڑھنا یا اسے چھونا ممنوع ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جنبی اور حائضہ بھی مومن ہونے کی وجہ سے پاک ہیں۔

عدم مس (نہ چھونا) علیحدہ مسئلہ اور عدم قراءت (نہ پڑھنا) علیحدہ مسئلہ ہے

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ مُحدِثِ حَدَثِ اکبر (یعنی جنبی اور حائضہ) کے لیے قرآن کریم کا چھونا جائز نہیں ہے، اس لیے طاہر کے معنی، حدثِ اکبر سے پاک شخص، متعین ہیں اور یوں یہ حدیث اس مسئلے میں نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اجماع کا دعویٰ ہی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام بخاری، امام ابن جریر طبری، امام داؤد ظاہری، امام ابن حزم، امام ابن المنذر، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم رحمہم اللہ وغیرہم جنبی اور حائضہ کو قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (ان کے دلائل آگے بیان ہوں گے)

جب یہ بات ہے تو پھر دعوائے اجماع کیوں کر صحیح ہے؟

6. چھٹی دلیل، جس سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن کریم کی آیت ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (الواقعہ: 79) ہے، جس کا ترجمہ ہے: "پاک لوگ ہی اسے چھوتے ہیں۔"

لیکن یہ خبر ہے، حکم نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نفی کا صیغہ ہے، نہی کا نہیں۔ اگر یہ نہی کا صیغہ ہوتا تو لَا يَمَسَّهُ (بفتح السین) ہوتا، پھر اس کا ترجمہ حکم کا ہوتا یعنی "اسے پاک لوگ ہی چھوئیں" اس صورت میں اس سے عدم قراءت اور عدم مس قرآن پر استدلال ہو سکتا تھا۔

لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس میں یہ خبر دے رہا ہے کہ لوح محفوظ کو یا قرآن کریم کو صرف فرشتے ہی چھوتے ہیں، یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی اس قرآن یا لوح محفوظ تک رسائی نہیں ہے۔ لَا يَمَسُّهُ میں ضمیر کا مرجع بعض نے لوح

محفوظ کو اور بعض نے قرآن کو بنایا ہے۔ مطلب دونوں صورتوں میں مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن، شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ کیوں کر ممکن ہے، یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے کیوں کہ ایک تو وہ لوح محفوظ میں ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔ ثانیاً: پاک فرشتے ہی اسے چھوتے ہیں، فرشتوں کے علاوہ کوئی اور وہاں پہنچ ہی نہیں سکتا۔ ثالثاً: فرشتے (روح الامین) ہی اسے لے کر زمین پر اترتے ہیں۔

اس اعتبار سے آیت کا تعلق مسئلہ زیر بحث سے کہ طاہر شخص کے سوا اسے کوئی چھو سکتا ہے یا نہیں؟ ہے ہی نہیں۔ علاوہ ازیں یہ سورت مکی ہے اور مکی سورتوں میں احکام و مسائل کا زیادہ بیان نہیں ہے۔ بلکہ ان میں توحید و رسالت اور آخرت کے اثبات پر زور دیا گیا ہے، البتہ فحوائے آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدث اصغر، اکبر سے پاک ہو کر قرآن کی تلاوت کرنا افضل ہے تو اس کی افضلیت میں یقیناً کوئی کلام نہیں۔ (جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی)

بعض اُردو مفسرین کی آرا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ زیر بحث اور آیت کے سلسلے میں عصر حاضر کے بعض اردو مفسرین کی آرا بھی ذکر کر دی جائیں۔

1. مولانا مودودی ؒ آیت مذکورہ سے ممانعت کا مفہوم لینے والوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیر آیت کے سیاق و سباق سے مطابقت نہیں رکھتی۔ سیاق و سباق سے الگ کر کے تو اس کے الفاظ سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے، مگر جس سلسلۂ کلام میں یہ وارد ہوئی ہے اس میں رکھ کر اسے دیکھا جائے تو یہ کہنے کا سرے سے کوئی موقع نظر نہیں آتا کہ ”اس کتاب کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہ چھوئے“ کیوں کہ یہاں تو کفار مخاطب ہیں اور ان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے، اس کے بارے میں تمہارا یہ گمان قطعی غلط ہے کہ اسے شیاطین نبی پر القا کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ شرعی حکم بیان کرنے کا آخر کیا موقع ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص طہارت کے بغیر اس کو ہاتھ نہ لگائے؟ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ آیت یہ حکم دینے کے لیے نازل نہیں ہوئی مگر فحوائے کلام اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کتاب کو صرف مطہرین ہی چھو سکتے ہیں، اسی طرح دنیا میں بھی کم از کم وہ لوگ جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، اسے ناپاکی کی حالت میں چھونے سے اجتناب کریں۔“

مختلف مسالک کی آرا

مولانا مودودی ؒ اس بارے میں مختلف مسالک کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

”مسلک حنفی:... رہا قرآن پڑھنا، تو وہ وضو کے بغیر جائز ہے۔ (بدائع الصنائع)

اور بچے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ تعلیم کے لیے قرآن بچوں کے ہاتھوں میں دیا جا سکتا ہے خواہ وہ وضو سے ہوں یا بے وضو۔ (فتاویٰ عالمگیری)

مذہب مالکی:... مصحف کو ہاتھ لگانے کے لیے وضو شرط ہے۔ لیکن قرآن کی تعلیم کے لیے وہ استاد اور شاگرد دونوں کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ بلکہ حائضہ عورت کے لیے بھی وہ بغرض تعلیم مصحف کو ہاتھ لگانا جائز قرار دیتے ہیں۔ ابن قدامہ ؒ نے المغنی میں امام مالک ؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جنابت کی حالت میں تو قرآن پڑھنا ممنوع ہے مگر حیض کی حالت میں عورت کو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے کیوں کہ ایک طویل مدت تک اگر ہم اسے قرآن پڑھنے سے روکیں گے تو وہ بھول جائے گی۔

ظاہریہ کا مسلک یہ ہے کہ قرآن پڑھنا اور اس کو ہاتھ لگانا ہر حال میں جائز ہے خواہ آدمی بے وضو ہو یا جنابت کی حالت میں ہو، یا عورت حیض کی حالت میں ہو۔ ابن حزم ؒ نے المحلی (جلد اول، صفحہ: 77 تا 84) میں اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے جس میں انہوں نے اس مسلک کی صحت کے دلائل دیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ فقہاء نے قرآن پڑھنے اور اس کو ہاتھ لگانے کے لیے جو شرائط بیان کی ہیں، ان میں سے کوئی بھی قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہے۔“ (تفہیم القرآن: 5/295)

2. مفتی محمد شفیع ؒ طہارت کو ضروری قرار دینے کے باوجود لکھتے ہیں:

”مگر حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے اور حضرت علی ؓ کی حدیث جو مسند احمد میں ہے، اس سے بغیر وضو کے تلاوت قرآن فرمانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اس لیے فقہا نے بلاوضو تلاوت کی اجازت دی ہے۔ (تفسیر مظہری)“ (تفسیر معارف القرآن: 8/287، 288)

3. اسی آیت ﴿لَا یَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ سے فقہا نے وجوبِ طہارت کا جو مسئلہ اخذ کیا ہے، مولانا امین احسن اصلاحی فقہا کے طرز استدلال پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جن فقہا نے قرآن کی زبانی تلاوت یا اس کو ہاتھ لگانے تک کے لیے بھی طہارت کی وہ شرطیں عائد کی ہیں جو نماز کے لیے ضروری ہیں، ان کے اقوال غلو پر مبنی ہیں۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس وجہ سے وہ ہر پہلو اور خیر و شر کے جاننے کا ذریعہ، اخذ و استنباط کا حوالہ اور استدلال کا مرکز بھی ہے۔ اگر اس کو ہاتھ لگانے یا اس کی کسی سورت یا آیت کی تلاوت کرنے یا حوالہ دینے کے لیے بھی آدمی کا طاہر و مطہر اور باوضو ہونا ضروری قرار پا جائے تو یہ ایک تکلیف مالا یطاق ہو گی جو دین فطرت کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس طرح کی غیر فطری پابندیاں عائد کرنے سے قرآن کی تعظیم کا وہی تصور پیدا ہو گا جس کی تعبیر سیدنا مسیح ؑ نے یوں فرمائی ہے کہ ”تمہیں چراغ دیا گیا کہ اس کو گھر میں بلند جگہ رکھو کہ سارے گھر میں روشنی پھیلے

لیکن تم نے اس کو پیمانے کے نیچے ڈھانپ کر رکھا ہے۔" (تفسیر تدبر قرآن:8/184)

4۔ محدث العصر شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مُحدِث (بے وضو) جنبی اور حائضہ کے قرآن پڑھنے سے ممانعت کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (حاشیہ 'ریاض الصالحین' بہ تحقیق شیخ الالبانی، باب 245، ص : 495، طبع بیروت)

5۔ تفسیر ثنائی: اس آیت کی بنا پر بعض اہل علم بغیر وضو کے قرآن پاک کو چھونا جائز نہیں جانتے مگر اکثر محققین یہاں مراد لیتے ہیں کہ قرآن پاک سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو پاک باطن ہیں۔ (قرآن مجید، ثنائی ترجمہ: ص643)

جواز کے قائلین کے دلائل

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ پہلی رائے، یعنی عدم جواز کے قائلین کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔ اس کے برعکس دوسرا موقف یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کا قرآن پڑھنا اور چھونا جائز ہے۔ ان مجوزین میں امام طبری اور امام بخاری جیسے حضرات اور دیگر کئی جلیل القدر ائمہ شامل ہیں، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

1۔ ممانعت کی تمام روایات ضعیف ہیں، اس لیے وہ قابل احتجاج نہیں، اگر کوئی صحیح ہے تو وہ محتمل المعانی ہے، اس لیے اس سے بھی استدلال صحیح نہیں (جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے) اور جب روایات میں ضعف شدید ہو تو مجموعۂ روایات بھی قابل استدلال نہیں ہوتا۔

بنابریں اس رائے میں بھی کوئی وزن نہیں کہ یہ سب روایات ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں، چنانچہ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں جنبی اور حائضہ کے داخلے کی ممانعت والی حدیث کی تضعیف کے بعد لکھتے ہیں:

"وللحديث بعض الشواهد، لكن بأسانيد واهية لا تقوم بها حجة، ولا يأخذ الحديث بها قوة." (إرواء الغليل : 1/211، رقم الحديث : 193)

"اس حدیث کے بعض شواہد ہیں لیکن ان کی سندیں نہایت کمزور ہیں جن سے نہ حجت قائم ہوتی ہے اور نہ حدیث کو کوئی قوت حاصل ہوتی ہے۔"

اسی طرح حدیث «لا يقرأ الجنب ولا الحائض شيئا من القرآن» کے ضعف پر بحث کرتے اور اس کے ایک راوی کو بعض حضرات کے ثقہ کہنے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقد اتفقت كلمات هؤلاء الأئمة على تضعيف ابن مسلمة هذا، فلو سلمنا بأن الدارقطني أراده بقوله "هو ثقة"، لوجب عدم الاعتداد به لما تقرر فى المصطلح أن الجرح مقدم على التعديل لا سيما إذا كان مقروناً ببيان السبب كما هو الواقع هنا." (إرواء الغليل : 1/209، رقم الحديث : 192)

"تمام ائمہ کے اقوال اس ابن مسلمہ کی تضعیف پر متفق ہیں اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ دار قطنی کے قول "وہ ثقہ ہے۔" سے مراد یہ ابن مسلمہ ہی ہے، تب بھی ضروری ہے کہ اسے کوئی اہمیت نہ دی جائے کیونکہ مصطلحاتِ حدیث میں یہ اصول طے ہے کہ جرح، تعدیل پر مقدم ہے، بالخصوص جب کہ جرح مفصل ہو، یعنی اس کے ساتھ اس جرح کی وجہ بھی بیان ہو، جیسا کہ یہاں ہے۔"

2۔ صحیح روایات کے عموم سے ہر حالت میں قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، جیسے حدیث میں ہے: «كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يذكر الله على كل أحيانه» (صحيح البخاري، في ترجمة الباب، كتاب الحيض، باب:7)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔"

اس حدیث سے ان کا استدلال یہ ہے کہ ذکر کا لفظ عام ہے جس میں قرآن بھی شامل ہے کیوں کہ قرآن کو بھی ذکر کہا گیا ہے:

﴿إِنَّا نَحنُ نَزّلنا عَلَيكَ القُرءانَ تَنزيلًا﴾ (سورۃ الدھر:23)

"ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

گویا ان کے نزدیک اس حدیث کے عموم سے جنابت سمیت ہر حال میں قرآن کا پڑھنا جائز ثابت ہوا۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث (ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے) سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مُحدِث (بے وضو)، جنبی اور حائضہ کے لیے قرآن پڑھنے سے ممانعت کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔"

(ریاض الصالحین، حاشیہ بہ تحقیق شیخ البانی، ص : 495، طبع بیروت)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسی لیے امام بخاری اور ان کے علاوہ ان ائمہ نے جو جواز کے قائل ہیں جیسے: طبری، ابن منذر اور امام داود رحمۃ اللہ علیہم، ان سب نے حدیث «كان يذكر الله... الخ» کے عموم سے دلیل پکڑی ہے، اس لیے کہ ذکر کا لفظ عام ہے اس میں قرآن اور غیر قرآن دونوں آجاتے ہیں۔ ذکر اور تلاوت میں جو فرق کیا جاتا ہے اس کی بنیاد صرف عرف ہے۔"

3۔ اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، جب وہ ایام حج میں حائضہ ہو گئی تھیں، فرمایا تھا:

«فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لاَ تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي» (صحيح البخاري، كتاب الحيض، باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت:305)

"تم پاک ہونے تک بیت اللہ کے طواف کے سوا وہ سب کچھ کرو جو حاجی کرتے ہیں۔"

اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ

اعمالِ حج، ذکر، تلبیہ، تلاوت قرآن اور دعا پر مشتمل ہیں اور نبی ﷺ نے انہیں بیت اللہ کے طواف کے سوا کسی چیز سے منع نہیں کیا، صرف طواف کو مستثنیٰ کیا اور جب حائضہ کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہوا تو جنبی کے لیے بطریق اولیٰ جائز ہو گا کہ عورت کا حدث مرد کے حدث سے زیادہ غلیظ ہے۔

4۔امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسی واقعے کو بنیاد بنا کر باب باندھا ہے:

"باب: تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت"

”حائضہ عورت حج کے تمام مناسک ادا کرے، سوائے بیت اللہ کے طواف کے۔“

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں احادیث کے علاوہ بعض صحابہ و تابعین کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں، چنانچہ اس باب کے تحت امام موصوف نے جو اقوال و دلائل نقل کیے ہیں، ان کا ترجمہ یوں ہے:

”ابراہیم (نخعی) نے کہا: حائضہ عورت اگر ایک آیت پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جنبی کے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں دیکھا اور نبی ﷺ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ حائضہ عورتیں نکل کر (عید گاہوں میں) جائیں، پس وہ مردوں کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور دعا میں شریک ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے حضرت ابوسفیان نے خبر دی کہ ہرقل (بادشاہ روم) نے نبی ﷺ کا خط منگوایا اور اسے پڑھا، اس میں تھا: بسم الله الرحمٰن الرحيم ﴿يـأَهلَ الكِتـبِ تعالَوا إلى كَلِمَةٍ﴾ (اس کے بعد وہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایام حج میں حائضہ ہونے کا اور نبی ﷺ کے فرمان کا ذکر ہے۔)“

امام بخاری رحمہ اللہ کے طرزِ استدلال کو اس طرح واضح کیا گیا ہے، ذیل میں ہم اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:

”امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب اس باب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے حائضہ اور جنبی کے قرآن پڑھنے کے جواز پر استدلال کرنا ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے حج کے تمام مناسک میں سے طواف کے سوا کسی چیز کو مستثنیٰ نہیں کیا... اور حج کے اعمال، ذکر، تلبیہ اور دعا پر مشتمل ہیں اور حائضہ کو ان میں سے کسی چیز سے نہیں روکا گیا۔ پس اسی طرح جنبی کا معاملہ ہے، اس لیے کہ عورت کا حدث مرد کے حدث سے زیادہ ناپاک ہے (جب حائضہ عورت قرآن پڑھ سکتی ہے تو جنبی تو بطریقِ اولیٰ پڑھ سکتا ہے) اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اس ضمن میں وارد احادیث میں سے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، اگرچہ اس کی بابت وارد احادیث دوسروں کے نزدیک باہم مل کر قابل احتجاج بن جاتی ہیں۔ لیکن ان میں اکثر احادیث قابل تاویل ہیں۔“ (فتح الباري:1/529)

5۔حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی 'اعلام الموقعین' میں اس مسئلے پر گفتگو کی ہے۔ ایک تو انہوں نے بھی منع قراءت کی روایت کو ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔

ثانیاً: قراءتِ قرآن کے جواز کے موقف کو اس طرح واضح کیا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے حائضہ عورت کے بارے میں احکام کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے۔ احکام کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا ازالہ حالت حیض کے بعد حالت طہر میں آسانی سے ممکن ہے تو ایسے احکام حالتِ حیض میں اس کے لیے ضروری قرار نہیں دیے بلکہ اس سے ساقط کر دیے (سقوط کی بھی دو صورتیں ہیں) یا تو مطلقاً ساقط کر دیے، جیسے نماز ہے، حالت حیض میں نماز بالکل معاف کر دی۔ یا حالت طہر میں ان احکام کی قضا (ادائیگی) کا حکم دیا، جیسے روزے ہیں۔ حیض میں تو روزہ رکھنے سے منع کر دیا لیکن بعد میں اس کمی کو پورا کرنے کا حکم دیا۔

اور احکام کی دوسری قسم وہ ہے جس کا بدل بھی ممکن نہیں اور حالت طہر تک اس کا مؤخر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا تو اس کی مشروعیت کو حیض کے باوجود برقرار رکھا، جیسے احرام باندھنا، عرفات میں وقوف کرنا، طواف کے علاوہ دیگر مناسک حج کا ادا کرنا ہے۔ اسی طرح حالت حیض میں اس کے لیے قراءتِ قرآن کا جائز ہونا ہے اس لیے کہ حالت طہر میں اس کا ازالہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ حیض کی مدت لمبی ہوتی ہے، اس مدت میں قرآن کی تلاوت سے روکنے میں کئی نقصان ہیں، جیسے حفظ قرآن میں خلل وغیرہ۔“ (إعلام الموقعين : 3/28۔ طبع 1969ء بہ تحقیق عبد الرحمن الوکیل)

6۔امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی جواز کے مسلک کی پرزور تائید کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”قرآن مجید کا پڑھنا اور اس کی آیت سجدہ پر سجدہ کرنا، قرآن مجید کا چھونا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، یہ سارے کام جائز ہیں، چاہے وضو ہو یا نہ ہو اور چاہے جنبی ہو یا حائضہ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ سارے کام افعال خیر ہیں جو مستحب ہیں اور ان کا کرنے والا اجر کا مستحق ہے، جو شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ مذکورہ کام بعض حالتوں میں منع ہیں تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی دلیل پیش کرے۔“

اس کے بعد امام ابن حزم نے ان تمام دلائل کا جائزہ لیا ہے جو مانعین کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کے نزدیک بھی منع کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ (المحلی لابن حزم، مسئلہ نمبر:116)

7۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جنبی اور حائضہ کا قرآن پڑھنا، اس کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں: ایک رائے ہے کہ ان دونوں کے لیے جائز ہے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی مشہور قول یہی ہے۔ دوسری رائے ہے کہ جنبی کے لیے جائز نہیں ہے اور حائضہ کے لیے جائز ہے۔ اس کے

لیے یا تو مطلقاً (یعنی ہر وقت) جائز ہے یا اس وقت جب اسے بھولنے کا خوف ہو اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب بھی ایک قول کے مطابق یہی ہے، اس لیے کہ حائضہ عورت کے قرآن پڑھنے کی بابت نبی کریم ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں، سوائے اس حدیث کے جو اسماعیل بن عیاش سے موسیٰ بن عقبہ عن نافع عن ابن عمر کی سند سے مروی ہے کہ "حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔" اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث، حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے اور اسماعیل بن عیاش اہل حجاز سے جو روایت کرتا ہے، وہ سب احادیث ضعیف ہیں، بخلاف ان روایات کے جو وہ اہل شام سے بیان کرتا ہے اور یہ روایت ثقہ راویوں میں سے کوئی بھی نافع سے روایت نہیں کرتا اور یہ معلوم ہے کہ عورتیں نبی ﷺ کے زمانے میں حائضہ ہوتی تھیں اور آپ ﷺ نے ان کو قراءت قرآن سے منع نہیں کیا جیسے آپ نے انہیں ذکر و دعا سے منع نہیں کیا۔ بلکہ حائضہ عورتوں کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ عید کے دن گھروں سے نکلیں اور مسلمانوں کی تکبیرات کے ساتھ وہ بھی تکبیرات پڑھیں اور (اسی طرح) آپ ﷺ نے حائضہ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کے طواف کے علاوہ حج کے سارے مناسک ادا کرے، وہ حالت حیض میں ہوتے ہوئے تلبیہ کہے، اسی طرح مزدلفہ اور منیٰ اور ان کے علاوہ دیگر مشاعر میں (حج کے افعال) سر انجام دے۔

اس کے برعکس نبی ﷺ نے جنبی کو حکم نہیں دیا کہ وہ عید میں حاضر ہو اور یہ کہ وہ نماز پڑھے، نہ اسے حج کے مناسک ادا کرنے کا کہا، اس لیے کہ جنبی آدمی کے لیے یہ ممکن ہے کہ فوری طور پر پاک ہو جائے، پس اس کے ناپاک رہنے کے لیے اس کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ بہ خلاف حائضہ عورت کے کہ اس کی ناپاکی باقی رہنے والی ہے، اس کے لیے اس کی موجودگی میں پاکیزگی حاصل کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ جنبی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ پاک ہوئے بغیر عرفہ یا مزدلفہ اور منیٰ میں وقوف کرے، اگرچہ وقوف کے لیے طہارت شرط نہیں ہے لیکن مقصود یہ ہے کہ شارع نے حائضہ کو تو بطور وجوب یا بطور استحباب اللہ کا ذکر اور اس سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور جنبی کے لیے ان چیزوں کو مکروہ جانا ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حائضہ کو جو رخصتیں دی گئی ہیں وہ جنبی آدمی کو نہیں دی گئیں اور اس کی وجہ صرف (وہ قدرتی) عذر ہے (جو عورت کو حاصل ہے) اگرچہ اس کا حدث زیادہ غلیظ ہے۔ اسی طرح قرآن پڑھنے کا مسئلہ ہے، شارع نے حائضہ عورت کو اس سے منع نہیں کیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ شارع نے جنبی کو منع کیا ہے (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) جنبی کے لیے تو یہ ممکن ہے کہ وہ پاک ہو جائے اور قرآن پڑھ لے، بخلاف حائضہ عورت کے کہ وہ کئی دن تک اسی حالت پر قائم رہتی ہے، پس وہ (اتنے دنوں تک، اگر قرآن اس کے لیے پڑھنا ممنوع ہو) قرآن پڑھنے سے محروم رہے گی اور یہ اس کے لیے ایسی عبادت سے محرومی ہے جس کی وہ ضرورت مند ہے اور وہ طہارت بھی حاصل کرنے سے عاجز ہے اور قراءت قرآن نماز کی طرح نہیں ہے، اس لیے کہ نماز کے لیے تو شرط ہے کہ حدث اکبر (جنابت و حیض) اور حدث اصغر (عدم وضو) سے پاک ہو۔ اور قرآن کا پڑھنا حدث اصغر (عدم وضو) کے ساتھ جائز ہے۔ یہ نص سے بھی ثابت ہے اور اس پر ائمہ کا اتفاق بھی ہے۔

علاوہ ازیں نماز کے لیے استقبال قبلہ، لباس اور نجاست سے پاکیزگی بھی ضروری ہے، جب کہ قراءتِ قرآن کے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہیں، بلکہ نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ دیا کرتے تھے، جب کہ وہ حائضہ ہوتی تھیں اور یہ بات صحیح حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ نیز صحیح مسلم میں ہے، اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرماتا ہے:

«وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ، تَقْرَؤُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانَ» (صحیح مسلم:2865)

"میں تجھ پر ایسی کتاب نازل کر رہا ہوں جسے پانی نہیں مٹا سکتا، تو اسے سوتے جاگتے پڑھ سکتا ہے۔"

پس قرآن کا پڑھنا (ہر حالت میں) جائز ہے، انسان کھڑے ہو یا بیٹھا، چل رہا ہو، لیٹا ہو یا سوار ہو۔" (مجموع الفتاوی: 21/459-462)

اس دوسرے مسلک کی رو سے، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزری، جنبی اور حائضہ کا قرآن پڑھنا مطلقاً جائز ہے اور اس کی بنیاد دو باتوں پر ہے:

اول یہ کہ ممانعت کی تمام احادیث ضعیف ہیں، وہ قابل حجت نہیں۔

دوم یہ کہ صحیح احادیث کے عموم سے جواز کا اثبات ہوتا ہے۔

تیسرا موقف

تیسرا موقف یہ ہے کہ ایک آدھ آیت پڑھی جا سکتی ہے۔

تبصرہ: لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ رائے معقولیت پر مبنی نہیں۔ اگر ممانعت کی صحیح دلیل موجود ہے تو پھر ایک آیت کے بھی پڑھنے کا جواز کس طرح نکل سکتا ہے؟ اور اگر ممانعت کی کوئی واضح دلیل نہیں تو پھر صرف ایک آدھ آیت ہی پڑھنے کی اجازت کیوں؟ پھر جتنا کوئی پڑھنا چاہے کیوں نہیں پڑھ سکتا؟ علاوہ ازیں آیات لمبی بھی ہیں اور چھوٹی بھی، لمبی آیت کی صورت میں صفحہ ڈیڑھ صفحہ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں کیا قرآن کا اکرام و احترام متاثر نہیں ہو گا۔

چوتھا موقف

اسی طرح یہ موقف بھی کمزور ہے کہ حائضہ قرآن پڑھ سکتی ہے لیکن جنبی نہیں پڑھ سکتا، اس کی دلیل

ان کے نزدیک یہ ہے کہ حیض کی مدت طویل ہے، اتنے عرصے تک قرآن نہ پڑھنے میں زیادہ نقصان ہے، جبکہ جنابت کی مدت نہایت قلیل ہے۔ حافظ ابن حزم اس مسلک کی بابت اور اسکی غیر معقولیت کو واضح کرتے ہیں:

"اگر قراءت قرآن حائضہ کے لیے حرام ہے تو اس کی مدت حیض کی طوالت قراءت قرآن کو اس کے لیے حلال نہیں کرسکتی اور اگر اس کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے تو طول مدت سے استدلال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔" (المحلی: 1/104۔ط1967ء۔ مکتبۃ الجمھوریۃ العربیۃ، مصر)

پانچواں اور راجح مسلک

پانچویں رائے اس مسئلے میں یہ ہے کہ حیض وجنابت کی حالت میں قرآن پڑھنا کراہت تحریمی نہیں، کراہت تنزیہی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان حالتوں میں قرآن پڑھنے اور چھونے سے اجتناب بہتر ہے۔ تاہم پڑھ اور چھو لیا جائے تو جائز ہے۔ یہ رائے دو لحاظ سے راجح ہے۔

اولاً:... جمہور علماء جو مطلقاً ممانعت کے قائل ہیں، ان کے پاس اپنے موقف کے اثبات کے لیے کوئی صحیح حدیث اور واضح نص نہیں ہے۔ جن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں اور ایک آدھ حدیث جو صحیح ہے، محتمل المعنی ہے، اس لیے وہ بھی نص صریح یا دلیل قاطع نہیں بن سکتی۔ اسی طرح امام بخاری، امام ابن حزم اور دیگر ائمہ، جو مطلقاً جواز کے قائل ہیں، ان کے پاس بھی کوئی واضح دلیل نہیں ہے، ان کا استدلال صرف عموم الفاظ پر مبنی ہے، اس لیے اس سے مطلقاً جواز کا مفہوم محل نظر ہے۔ کیونکہ عموم کے باوجود حدیث میں ملتا ہے کہ نبی ﷺ نے قضائے حاجت سے فراغت کے بعد جب تک وضو نہیں کرلیا، سلام کا جواب دینا پسند نہیں فرمایا۔ (سنن أبو داؤد:17)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "يذكر الله على كل أحيانه" کے عموم کے باوجود نبی ﷺ نے بعض حالتوں میں محتاط رویہ اختیار کیا ہے، اس سے یقینا کراہتِ تنزیہی کا اثبات ہوتا ہے۔ کیوں کہ کراہت، جواز کے منافی نہیں، چنانچہ شیخ البانی رحمہ اللہ سنن ابوداؤد کی مذکورہ حدیث کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"پیشاب سے فراغت کے بعد نبی ﷺ کا سلام کرنے والے کو یہ جواب دینا کہ "میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ بغیر طہارت کے اللہ کا ذکر کروں۔" یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جنبی کے لیے قراءت قرآن مکروہ ہے، اس لیے کہ حدیث میں یہ بات سلام کا جواب دینے کے ضمن میں آئی ہے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے۔ پس قرآن تو سلام سے اولیٰ ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور کراہت، جواز کے منافی نہیں جیسا کہ معروف ہے، اس لیے اس حدیث صحیح کی وجہ سے کراہت والی رائے کا اختیار کرنا ضروری ہے اور اگر اللہ نے چاہا تو یہ سب اقوال میں سے سب سے زیادہ انصاف پر مبنی رائے ہے۔" (إرواء الغليل :1/93،92)

ثانیاً: آج کل ہر جگہ مدرسۃ البنات (بچیوں کے تعلیمی مدارس) عام ہو گئے ہیں، حفظِ قرآن کے بھی اور دینی علوم کی تدریس کے بھی۔ مطلقاً ممانعت اور عدم جواز کے فتویٰ پر عمل سے ان مدارس میں پڑھنے والی طالبات اور پڑھانے والی استانیوں کو جو مشکلات پیش آسکتی ہیں وہ محتاج وضاحت نہیں۔ یہ فقہی اصطلاح میں گویا عموم بلویٰ کی صورت پیدا ہو گئی ہے جس میں فقہاء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ کی رائے

غالباً اسی لیے عصر حاضر کے بعض ان کبار علماء نے بھی، جو عدم جواز کے قائل ہیں، مدارسِ دینیہ میں زیر تعلیم طالبات اور ان میں پڑھانے والی استانیوں کے لیے جواز کا فتویٰ دیا ہے، چنانچہ شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس مسئلے میں علماء کا اختلاف جاننے کے بعد یہی بات زیادہ شایان ہے کہ یہ کہا جائے کہ حائضہ کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ قرآن کریم زبان سے نہ پڑھے، سوائے ضرورت وحاجت کے۔ جیسے کوئی استانی (معلم) ہے، اس کے لیے طالبات کو پڑھانا اس کی ضرورت ہے یا امتحان کے موقع پر خود طالبات کو بھی امتحان دینے کے لیے قرآن کریم کا پڑھنا ایک ضرورت ہے یا اور اس قسم کی کوئی ضرورت ہو (تو حائضہ کے لیے قرآن کریم کا پڑھنا جائز ہے۔)" (مجموع فتاوی ورسائل شیخ محمد بن صالح العثیمین: 311/11)

بنابریں یہ حالات اور ضروریات اس بات کی متقاضی ہیں کہ جواز کے فتویٰ کو تسلیم کیا جائے، بالخصوص جب کہ دلائل کے عموم سے اس کی تائید ہوتی ہے نہ کہ تردید، علاوہ ازیں جب کہ ممانعت کے دلائل بھی صحت واستناد کے اعتبار سے محل نظر ہیں، اس لیے زیادہ سے زیادہ یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ حائضہ اور جنبی اگر اجتناب کرسکیں تو بہتر ہے، بہ صورت دیگر جواز سے مفر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

قرآن مجید کو چھونے (ہاتھ لگانے اور ہاتھ سے پکڑنے) کا حکم

گزشتہ دلائل سے واضح ہے کہ مؤمن ہر وقت پاک ہے حتی کہ جنابت کی حالت میں بھی وہ پاک ہی ہوتا ہے۔ بنابریں اس کے لیے ہر وہ کام جائز ہے جس کی ممانعت نہیں آئی ہے۔ مثلاً: نماز کی بابت وضاحت ہے کہ وہ عدم وضو یا حالت جنابت میں نماز نہیں پڑھ سکتا تو نماز پڑھنا اس کے لیے یقیناً ممنوع ہے جب تک کہ وہ وضو یا غسل نہ کرلے لیکن قرآن مجید وہ پڑھ سکتا ہے کیوں کہ اس کی ممانعت کی بابت کوئی صریح اور صحیح حدیث ثابت نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کا چھونا یعنی اسے ہاتھ لگانا اور ہاتھ سے پکڑنا بھی جائز ہے، اس کے لیے وضو یا غسل ضروری نہیں، جیسا کہ اکثر علماء غسل کو (جنبی اور حائضہ) کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کی دلیل وہ قرآن کی یہ آیت

پیش کرتے ہیں: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (سورۃ الواقعۃ:79)

"اسے پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔"

یعنی آسمانوں پر لوحِ محفوظ میں صرف فرشتے ہی اسے چھوتے اور وہاں سے نقل کرتے ہیں۔ اس میں شیطان یا اس کے چیلے چانٹوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

بنابریں اس سے یہ استدلال صحیح نہیں کہ جنبی یا حائضہ قرآن مجید کو نہیں چھو سکتے، اس لیے کہ مومن اس حالت میں بھی پاک ہی ہوتا ہے، اسی طرح حدیث: «لا يمس القرآن إلا طاهر» (إرواء الغليل، رقم122، 1/158)

"قرآن پاک کو پاک شخص ہی چھوئے۔"

یہ شرطِ صحت یہ مطلوبہ مفہوم میں واضح نہیں، اس لیے کہ مومن پاک ہی ہوتا ہے، حدیث میں ہے: «إن المؤمن لا ينجس» (صحیح مسلم:371)

"مومن ناپاک نہیں ہوتا۔"

﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ (سورۃ التوبہ:28)

"صرف مشرک ہی نجس ہیں۔"

اسی لیے نبی ﷺ نے دشمن (مشرکوں) کی سرزمین پر قرآن ساتھ لے کر جانے سے منع فرمایا ہے تاکہ وہ ان کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رہے۔ بہر حال اس امر کی بھی واضح دلیل اور نص نہیں کہ جنبی یا حائضہ قرآن کو نہیں چھو سکتے۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے 'المحلی' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور مصحف کو چھونے کا اثبات کیا ہے، اسے ملاحظہ فرمالیا جائے۔

☆ جب حائضہ کے لیے قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے تو دیگر اوراد و وظائف اور اذکار وغیرہ پڑھنا، احادیث و تفاسیر اور دیگر دینی کتب و رسائل کا مطالعہ کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

☆ حائضہ عورت مسجد میں داخل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت علماء کے پانچ قول ہیں۔ اکثر علماء عدم جواز کے قائل ہیں اور بعض علماء جواز کے۔

قائلین جواز کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

1۔ مومن پاک ہی ہوتا ہے، ناپاک نہیں۔ جب ایسا ہے تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے کس طرح روکا جاسکتا ہے؟

2۔ اہل صفہ اور اصحابِ رسول ﷺ، مسجد میں سو بھی جاتے تھے اور نیند کی حالت میں احتلام کا خطرہ رہتا ہے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو مسجد میں سونے سے منع نہیں فرمایا، جس سے جنبی وغیرہ کا مسجد میں دخول کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

3۔ ازواج مطہرات مسجد نبوی ہی میں اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں، وہاں ان کے حائضہ ہونے کا امکان رہتا تھا، اس کے باوجود نبی ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

4۔ ممانعت کی حدیث:

«فأني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب» (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الجنب يدخل المسجد:232)

"میں حائضہ اور جنبی کے مسجد میں داخلے کو جائز قرار نہیں دیتا۔"

شیخ البانی رحمہ اللہ کے بقول سنداً ضعیف ہے جیسا کہ پہلے بھی تفصیل گزری۔ اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

☆ نماز عید کے اجتماع میں عورتوں کی شرکت کی جس حدیث میں تاکید کی گئی ہے، اس میں ہے:

« وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى»(صحیح البخاری، كتاب الحيض، باب شهود الحائض العيدين ودعوة المسلمين:324) "حائضہ عورتیں مصلی سے الگ رہیں۔"

ان علماء کے نزدیک یہاں 'مصلی' سے مراد مسجد (جائے نماز) نہیں بلکہ نماز ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کی نماز عید مسجد میں نہیں بلکہ کھلی فضا میں ہوتی تھی، اس لیے مصلی کو جائے نماز (مسجد) سمجھنا صحیح نہیں، اسی طرح قرآن کی آیت: ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾(النساء:43) میں جنبی کو صرف گزرنے کی اجازت دی گئی ہے ٹھہرنے کی نہیں۔ لیکن یہ حکم جنبی کے لیے ہے، حائضہ کو جنبی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ جنبی فوری طور پر پاک ہو سکتا ہے لیکن حائضہ کا پاک ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

حائضہ کے لیے طوافِ قدوم، طوافِ افاضہ اور طوافِ وداع کا حکم

(1) طوافِ قدوم

جو خاتون حج کی تیاری کر چکی ہو لیکن اس کے حیض کے ایام شروع ہو جائیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ آٹھ ذوالحجہ سے، جب کہ حج کے ارکان شروع ہوتے ہیں، آٹھ، دس دن پہلے مکہ مکرمہ پہنچ جائے تو وہ جاتے ہی اپنے محرم کے ساتھ طواف قدوم (اور سعی) نہ کرے بلکہ پاک ہونے کا انتظار کرے۔ اور پاک ہونے کے بعد سات ذوالحجہ تک طواف اور سعی اور تقصیر (بال کاٹنے کا کام) کرلے۔ یہ اس کا عمرہ ہو گیا اور اس کا حج، حج تمتع ہو گیا۔ یہ دوسرا طواف، طواف افاضہ، اور سعی اور تقصیر 10 ذوالحجہ کو کرے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حائضہ عورت حج کے قریب مکہ پہنچے تو اس حالت میں چونکہ وہ طواف (طواف قدوم) نہیں کر سکتی۔ تو وہ حج تمتع کے بجائے حج قران کی نیت کرلے اور احرام کی حالت میں رہے اور آٹھ ذوالحجہ سے اپنے محرم کے ساتھ حج کے تمام ارکان ادا کرے، اس حالت میں حج کے دیگر سارے ارکان وہ ادا کر سکتی ہے۔ 10 ذوالحجہ کو اگر وہ پاک ہو چکی ہو تو طواف افاضہ اور سعی اور تقصیر کرے۔ اس کے بعد وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے گی اور اس کا حج بھی مکمل ہے۔ تاہم یہ حج قران ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا تھا، ان کا حج بھی حج قران تھا۔ حج قران ہو یا حج تمتع، دونوں کے لیے قربانی ضروری ہے۔ تاہم حج تمتع میں عمرے کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور

آٹھ ذوالحجہ سے دوبارہ شروع ہو جاتی ہیں اور حج قِران میں احرام کی پابندی طواف افاضہ تک بر قرار رہتی ہے۔

(2) طوافِ افاضہ

یہ دس ذوالحجہ (یوم النحر) کو ہوتا ہے، اسے طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں، یہ حج کا ایک رکن ہے جس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ لیکن اگر عورت 10 ذوالحجہ تک پاک نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ یہ طواف نہایت ضروری ہے لیکن حیض اس کے کرنے میں مانع ہے۔

جب سفر حجاز کے لیے آنے جانے کی یہ پابندیاں نہیں تھیں جو اب ہیں کہ واپسی کی تاریخیں مقرر ہوتی ہیں اور تنہا عورت اپنے قافلے اور گروپ سے علیحدہ بھی نہیں ہو سکتی، جب ایسی صورت نہیں تھی تو اہل قافلہ رک جایا کرتے تھے اور جب عورت پاک ہو جاتی تو وہ طواف افاضہ کر لیتی تھی اور پھر قافلہ واپسی کے لیے روانہ ہو جاتا۔ اب صورت حال یکسر بدل گئی ہے، اب واپسی میں کسی کا اختیار نہیں ہے اور ایک دن کی تاخیر بھی بالعموم ممکن نہیں۔ اب عورت کیا کرے؟

فقہائے کرام نے اس کے مختلف حل تجویز کیے ہیں لیکن سب میں مشکلات ہیں، جبکہ عورت کا یہ عذر ایسا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہے اور شریعت نے غیر اختیاری عذر میں سہولتیں دی ہیں، صاحب عذر کو مشکل میں نہیں ڈالا ہے۔ جیسے مریض کو اس کی بیماری کی نوعیت کے اعتبار سے سہولتیں دی ہیں، حتیٰ کہ مُضطر اور لاچار کو جان بچانے کے لیے مردار تک کھانے کی اجازت دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اعلان بھی فرمایا ہے:

﴿ وَما جَعَلَ عَلَيكُم فِي الدّينِ مِن حَرَجٍ... ﴾... (سورۃ الحج: 78)

”اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

﴿ لا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفسًا إِلّا وُسعَها... ﴾... (سورۃ البقرۃ: 286)

”اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف (ذمے دار) نہیں بناتا۔“

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ اليُسرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ العُسرَ ﴾ (سورۃ البقرۃ: 185)

”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتا۔“

جب اللہ تعالیٰ صاحب عذر کو آسانی مہیا فرماتا ہے تو حائضہ عورت کو جس کا عذر بھی طبعی اور غیر اختیاری ہے، کس طرح مشکل میں ڈالنا جائز ہو گا، اس لیے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ دونوں نے اس مسئلے پر بڑی تفصیل سے بحثیں کی ہیں اور فقہاء کے تجویز کردہ تمام حلوں کو مزاج شریعت کے خلاف قرار دیا اور خود اس کا یہ حل تجویز کیا ہے کہ ”حائضہ عورت، مستحاضہ عورت کی طرح، اچھی طرح لنگوٹ وغیرہ کس لے اور اسی حالت میں طوافِ افاضہ کر لے اور اس پر کوئی دم وغیرہ بھی نہیں ہے۔“ (مجموع الفتاوی : 26-176- 241؛ إعلام الموقعين لابن القيم: 38،30/3)

سعودی علماء کا فتویٰ

عصر حاضر کے سعودی علمانے بھی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے یہی فتویٰ دیا ہے کہ حائضہ عورت (سفر کی موجودہ مشکلات کی وجہ سے) لنگوٹ باندھ کر طواف افاضہ کر لے کیونکہ اس کے لیے قافلے سے الگ ہو کر پاک ہونے تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا بھی نہایت مشکل ہے اور اپنے ملک واپس جاکر آئندہ سال دوبارہ حج کے لیے آنا بھی یا اپنے ملک میں جاکر طوافِ افاضہ کے انتظار تک حالت احرام میں رہنا بھی نہایت مشکل ہے۔ (فتاویٰ ارکان اسلام از شیخ عثیمین: ص428،429۔ فتاویٰ اسلامیہ: 317/2،318۔ مطبوعہ دارالسلام)

(3) طوافِ وداع

یہ طواف اس وقت کرنے کا حکم ہے جب حاجی مکے سے روانہ ہونے لگے، یہ بالکل آخری وقت میں کرے اور اس کے فوراً بعد مکے سے نکل جائے، مکے میں نہ ٹھہرے۔ اسی لیے جو مکے ہی کے مستقل باشندے ہیں، ان کے لیے یہ طواف ضروری نہیں ہے، یہ صرف ان حجاج کرام کے لیے ہے جو دیگر علاقوں سے صرف حج کے لیے آتے ہیں اور مکے میں ان کا قیام عارضی ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی عورت طوافِ افاضہ کے بعد حائضہ ہو جائے اور تاریخ روانگی تک وہ پاک نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اس کے دوسرے ہم سفر یہ طواف کر لیں اور یہ خود یہ طوافِ وداع نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، عین کوچ والی رات کو ان کے ایام شروع ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

«أَحَابِسَتُنَا هِيَ» ”کیا وہ ہماری واپسی میں رکاوٹ بنے گی؟“

آپ کو بتلایا گیا کہ انہوں نے طواف افاضہ کر لیا ہے اور اس کے بعد ایام شروع ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا: «فَلَا إِذًا» ”تب کوئی حرج والی بات نہیں۔“ (صحیح بخاری: 1757؛1771)

اس سے معلوم ہوا کہ طوافِ وداع کے بغیر حائضہ عورت کا مکہ چھوڑ دینا جائز ہے، ایسی حالت میں اس کے لیے رخصت ہے، اس کا حج مکمل ہے، طوافِ وداع کے لیے اس کا ٹھہرنا ضروری نہیں۔

مانع حیض گولیوں کا استعمال

آج کل حیض کی عارضی بندش کے لیے گولیاں مل جاتی ہیں، ڈاکٹر کے مشورے سے ان کے استعمال کو علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے اگر ان کے استعمال سے حیض کے آنے کا خطرہ نہ رہے تو پھر پورے سفر حج میں وہ مشکلات پیدا نہ ہوں جو حیض کی وجہ سے طوافِ قدوم اور طوافِ زیارت کے موقع پر ہوتی ہیں۔ یہ گولیاں حیض کی عارضی بندش کے لیے بھی استعمال کی جا سکتی ہیں، اگر کوئی کرنا چاہے۔

یہ بات ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک عزیز ہندوستان اور ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں ان دنوں مسلم معاشرے کے اندر کئی بے جا رسومات جنم لے گئی ہیں، خاص طور پر شادی بیاہ کے معاملات میں بے جا رسومات کا چلن عام سا ہو گیا ہے، دولت مند لوگ اپنے حساب سے اور درمیانی قسم کے لوگ اپنی طاقت کے مطابق بے جا رسومات اور اسراف میں مبتلا ہیں۔ غرض کہ مذکورہ دونوں طبقات اس لعنت میں ملوث ہیں جو کہ مسلم معاشرے کے لئے تباہی وبربادی کا باعث ہے اور یہ بھی ایک کڑوی حقیقت ہے کہ اس کی بنیاد ڈالنے والی صرف خواتین ہی ہیں۔ اگر ہم منگنی سے لے کر پانچویں جمعگی تک کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ شادی کی بے جا رسومات نے آج ہمارے مسلم معاشرے کو کس طرح مصیبت میں مبتلا کر کے رکھ دیا ہے۔ گویا لڑکی کا کسی گھر میں تولد ہونا، قیامت کے برپا ہونے کے مصداق ہو گیا، یعنی قیامت سے پہلے قیامت ہو جاتی ہے۔

"ہائے ہماری بدبختی۔"

اسے ہم اپنی بدبختی اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں تو اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کے طریقہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئی نئی اور بے جا رسومات کو اپنی زندگی میں ایجاد کر لیا اور اسے رواج دے لیا ہے جبکہ شعبہ حیات کے ہر موڑ پر کتاب وسنت ہمیں رہنمائی کرنے کے لئے موجود ہے۔ یعنی ان میں یہ تعلیمات موجود ہیں کہ انسان کو اخروی کامیابی کے علاوہ دنیاوی کامیابی کیلئے کس طرح کا عمل کرنا ضروری ہے۔ چاہے معاملہ شادی بیاہ کا ہو یا کسی اور دوسرے امور کی انجام دہی سے تعلق کا، بحر حال یہ ایک افسوسناک صورتحال ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے پاس ایک بہترین تعلیم رکھتے ہوئے بھی اس پر توجہ نہیں کرتی اور نہ ہی اس کے مطابق اپنے کو سنوارنے کی کوشش کر رہی ہے۔

بن بیاہی لڑکیوں کا سب سے بڑا مسئلہ

سارے جہاں والوں کیلئے رحمت عالم محسن انسانیت بنا کر مبعوث کئے گئے، سیدنا محمد مصطفی ﷺ نے نکاح وشادی بیاہ کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"اے لوگو تم نکاح کو آسان کرو تا کہ زنا مشکل ہو جائے"

اور آپ کی تعلیمات میں یہ بھی ملتا ہے کہ وہ نکاح بہت ہی مبارک ہے جس میں مشقت کم سے کم ہو لیکن آج ہم اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں نے نکاح کو جو کہ ایک عبادت ہے انتہائی مشقت میں مبتلا کرنیوالی چیز بنا لیا ہے اس وقت جو لڑکیاں بن بیاہی بیٹھی ہیں، ان کا سب سے بڑا مسئلہ جوڑے کی رقم اور معقول جہیز کی عدم فراہمی ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی لڑکی کا دلہن بننے کا خواب ادھورا ہی رہتا ہے۔

عورت کو عطا کیا جائے یا اس سے طلب کیا جائے؟

کتاب اللہ وسنت رسول میں ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ مسلم مرد اپنا مال خرچ کرتے ہوئے عورتوں کو اپنے عقد نکاح میں لائیں۔ اسلامی تعلیمات کی روسے مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ہونے والی دلہن (بیوی) کیلئے حسب گنجائش کپڑے فراہم کرے اور اس کے رہنے اور کھانے کا بندوبست کرنے اور بطور مہر کے جو بھی قرارداد منظور ہوا سے خوش دلی سے ادا کرے کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ اس لئے مرد کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے روپیہ خرچ کرے اور عورت کی ضروریات کی تکمیل کرے نا کہ الٹا اس سے روپیہ پیسہ بٹورے، اس طرح کا عمل صنف نازک پر ظلم اور اپنی مردانگی کو داغدار کرنا ہے۔ مرد کا درجہ عورت کے مقابل کیونکہ اسلام میں عورت کے مقابل مرد کا درجہ ایک گنا زیادہ رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الرِّجَالُ قَوّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾

"مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر جو فضیلت بخشی ہے یہ دو وجہ سے ہے۔

ایک تو اللہ تعالیٰ خود مرد کو ایک گنا زیادہ درجہ عطا فرمائے ہیں یہ تو اس کی مصلحت ہے اور وہ خود اس کی اچھائی سے خوب واقف ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ مرد اپنا مال عورت پر خرچ کرتے ہیں، اسی سبب اللہ نے مرد کی حیثیت قوام کی رکھی ہے، قوام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلائے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔"

عورت ہی عورت کیلئے رکاوٹ

شادی بیاہ کے معاملہ میں بے جا اور غیر شرعی رسومات کو جاری کرتے ہوئے ہماری خواتین خود اپنے پیروں پر کلہاڑی چلا رہی ہیں۔ اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات صاف طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ جتنے بھی رسومات اس وقت چل رہے ہیں یہ ان ہی کے دم خم سے قائم ہیں، شادی بیاہ اور بن بیاہی لڑکیوں کے مسائل کو صرف خواتین ہی حل کر سکتی ہیں شرط یہ ہے کہ

بے جا رسومات کے بوجھ کو معاشرے سے خارج کردیں اور ایام جاہلیت کی زنجیروں کو کاٹ پھینکیں۔ محسن انسانیت سیدنا محمد کریم مصطفی ﷺ کا یہ بھی ایک عظیم کارنامہ ہے کہ آپ نے لوگوں کے بوجھ کو ختم فرمایا، اور ایام جاہلیت کی تمام رسم رواج کی زنجیروں کو کاٹ پھینکا، جو لوگوں نے خود اپنی جہالت کی بناء پر اپنے اوپر لادے ہوئے تھے۔

شادی بیاہ، عقد نکاح بہت آسان ہے خدا سے تقویٰ کرنے والی لڑکی کا انتخاب کیا جائے، مہر کا تعین ہو، دن تاریخ مقرر کی جائے، گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو اور اللہ تبارک تعالیٰ نے جو کچھ بھی دیا ہے حسب حیثیت طعام ولیمہ کیا جائے، مذکورہ اہم چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہمیں کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

آج ہم نے مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ نئی نئی چیزوں کی ایجاد کر ڈالی ہے کہ لڑکی کو انگوٹھی چڑھانے کی رسم کے عنوان سے لڑکے کیلئے انگوٹھی یا گھڑی کے علاوہ لڑکی والوں سے دعوت طعام کا مطالبہ کرتے ہوئے لڑکی کے والدین کا لاکھوں روپیہ خرچ کرواتے ہیں، پھر آگے ایک اور رسم ہوتی ہے اس کا عنوان دیا جاتا ہے ”پاؤں میز کا رسم“ اس میں بھی لڑکی کے والدین کو مشقت میں مبتلا کرتے ہوئے پیسہ خرچ کروایا جاتا ہے اور جوڑے کی رسم کے نام سے تھیلی بھر روپیہ حاصل کیا جاتا ہے اور ان ہی ایام میں جہیز کے متعلق نئے نئے مطالبہ شروع کئے جاتے ہیں کبھی کہا جاتا ہے کہ نانی کی خواہش یہ ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ

فلاں صاحبہ ہمارے خاندان کی بڑی ہیں ان کی اس طرح کی خواہش ہے اور کبھی تو خود دولہے کی خواہش بتا کر استحصال کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہ فلاں شادی خانہ لیا جائے اور کھانے میں یہ یہ لوازمات ہوں؟ بیچارے لڑکی کے والدین لڑکے والوں کی اس ناجائز وجبر اًخواہشات کی تکمیل کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دیتے ہیں۔

بہر حال سودی قرض و دیگر ذرائع سے اس کی پابجائی ہونے کو ہوتی ہے کہ ایک اور مطالبہ یہ آتا ہے کہ ساچق، مہندی کی رسم لے کر ہم آرہے ہیں لہٰذا 25 عورتوں کیلئے اہتمام ہو اور یہ حقیقت ہے کہ ان ساری باتوں کا تعلق خواتین سے ہے کہ انہوں نے اپنی جی کی خواہش کی بناء پر نئے نئے مطالبات کرتے ہوئے لڑکی والوں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ

یہ ان کی تکمیل کریں۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ خواتین اس طرح کی رسم و رواج کے دلدل میں خود ہی تو اُترتی چلی جارہی ہیں جس کا انہیں شعور نہیں ہے۔

مثلاً کوئی باپ اپنی لڑکی کیلئے اتنا روپیہ جب خرچ کرے گا تو لازمی طور پر جب اس کے لڑکے کی شادی کا موقع آئے تو اپنی ہونے والی بہو کے والدین سے وہ سب کچھ طلب کرے گا جس طرح خود اس کی اپنی بیٹی کو جہیز، جوڑے کی رقم وغیرہ میں دے چکا تھا، غرض کہ اس طرح کا عمل رد عمل سارے مسلم معاشرے کو دیمک کی طرح کھائے جارہا ہے۔

حاصل کلام

آج ہماری مسلم خواتین یہ عہد کرلیں کہ ہم شادی بیاہ کی بے جا رسومات کو ترک کردیں گے اور اگر اس پر عمل بھی شروع کردیں تو ان شاءاللہ تھوڑے عرصہ میں بن بیاہی لڑکیوں کے مسائل حل ہو جائیں گے آج جو خواتین اپنی بیٹیوں کے معاملہ میں فکر مند ہیں ان کو ہرگز فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کیلئے عزم و حوصلہ کی ضرورت ہے کہ ساری خواتین یہ ارادہ کرلیں کہ جہیز، جوڑے کی رقم اور بے جا رسومات کا مطالبہ کرنے والوں کو ہم اپنی بیٹی نہیں دیں گے اس طرح خود بخود لالچی قسم کے لڑکے والوں کی ہمت شکنی ممکن ہو سکے گی اور یہ کام صرف خواتین ہی سے ممکن ہے۔

☆☆☆

15 شعبان کو چراغاں کرنا

پندرہ شعبان کے موقع پر بعض لوگ گھروں، مسجدوں اور قبرستانوں میں چراغاں کرتے ہیں، یہ بھی اسلامی طریقے کے خلاف ہے اور ہندوؤں کے تہوار دیوالی کی نقل اور مشابہت ہے۔

مشہور حنفی عالم بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ”چراغاں کی رسم کا آغاز یحییٰ بن خالد برمکی سے ہوا ہے، جو اصلاً آتش پرست تھا، جب وہ اسلام لایا تو اپنے ساتھ یہ آگ اور چراغ کی روشنی بھی لایا، جو بعد میں مسلم سوسائٹی میں داخل ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کو مذہبی رنگ دے دیا گیا۔“ (عمدۃ القاری: 117/11)

اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے یہ رسم ہم نے اسلام میں داخل کرلی اور غیروں کی نقالی کرنے لگے، جب کہ غیروں کی نقل و مشابہت پر سخت وعید آئی ہے جس کو اوپر بیان کر دیا گیا۔

☆☆☆

حدیث نمبر:50

عَنْ عائِشَةَ رضي الله عَنْها: عَنِ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلّم قالَ: «إذَا أُقِيمَتْ الصَّلاةُ، وَحَضَرَ الْعَشَاءُ، فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ». وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ نَحْوُهُ.

[رواه البخاري، كتاب الأطعمة، باب إذا حضر العشاء فلا يعجل عن عشائه، برقم 5465, ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال، وكراهة الصلاة مع مدافعة الأخبثين، برقم 558. البخاري، كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، برقم 673، مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام...، برقم 559]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے اور شام/رات کا کھانا آجائے تو پہلے کھانا کھاؤ۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس جیسی روایت مروی ہے۔

مفرداتُ الحدیث

1: إذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ : جب نماز کے لئے اقامت کہہ دی گئی ہو۔

2 : الْعَشَاءُ : شام/رات کا کھانا۔

3 : فَابْدَأُوْا : ابتداء کرو۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ کھانا حاضر ہو اور بھوک کی طلب بھی ہو تو نماز سے پہلے کھانا کھانا چاہیے اور نماز کو بعد میں ادا کرنا چاہیے لیکن اس کی عادت نہیں بنانی چاہیے، کھانے کا اہتمام وغیرہ اس وقت نہیں کرنا چاہیے جب باجماعت نماز کا وقت ہو۔ لیکن اگر اتفاق سے ایسا ہو گیا ہو اور کھانے کی طلب بھی ہو تو پہلے کھانے کا حکم ہے اور پھر نماز چاہے وہ باجماعت نماز ہی کیوں نہ ہو۔

2۔ جمہور اہل علم کے نزدیک یہ حکم اس صورت میں ہے جب نماز کے وقت میں وسعت ہو لیکن اگر نماز کے قضا ہونے کا خوف ہو تو پھر پہلے نماز ہی ادا کرے البتہ بعض کے نزدیک پہلے کھانا ہی کھائے اور نماز کو ہر صورت بعد میں پڑھے چاہے قضا ہو۔

3۔ شام یا رات کا کھانا جلدی کھانے کی ترغیب۔ عربی زبان میں عشاء (عین کے فتحہ/زبر) رات کے پہلے حصے کو کہتے ہیں۔ رات کا کھانا جلدی کھانے کے طبی فوائد بھی ہیں اور دیر سے کھانا کھانے کے نقصانات ہیں۔

4۔ نماز کے اندر خشوع و خضوع مطلوب ہے پوری توجہ سے نماز ادا کرنی چاہیے اور ہر اس چیز کو اپنے سے دور رکھنا چاہیے جس سے نماز میں خشوع و خضوع میں کمی آئے۔

5۔ باجماعت نماز کے لیے اقامت کہنا۔

حدیث نمبر:51

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عَنْها؛ قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلّى الله عليه وسلّم يقُولُ : «لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ». [رواه مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال، وكراهة الصلاة مع مدافعة الأخبثين، برقم 560]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے ہیں: کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی اور نہ ہی اس وقت جب بول و براز اسے باہر جانے کے لیے دھکیل رہے ہوں۔

مفرداتُ الحدیث:

1 : بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ : کھانے کی موجودگی میں۔

2 : يُدَافِعُهُ : اسے دھکیلتے ہوں۔ مجبور کرتے ہوں۔

3 : الْأَخْبَثَانِ: دو خبیث چیزیں یعنی بول و براز۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ بھوک لگی ہوئی ہو اور کھانا موجود ہو تو نماز رباجماعت نماز کا وقت ہو جائے تو پہلے کھانے پینے سے فارغ ہو جانا چاہیے۔ تاکہ نماز خشوع و خضوع سے ادا ہو۔

2۔ بول و براز کی حالت ہو نماز کے لئے اقامت کہہ دی گئی ہو تو پہلے قضائے حاجت سے فارغ ہو پھر نماز پڑھی جائے۔

3۔ نماز میں خشوع و خضوع کی اہمیت۔

4۔ نمازی کو چاہئے کہ جس چیز کے نماز میں خلل انداز ہونے کا اندیشہ ہو اسے پہلے دور کر دیا جائے۔

5۔ بھوک، پیاس اور بول براز کو نماز کو مؤخر کرنے کے سلسلے میں شرعی عذر تصور کئے جائیں گے۔

6۔ نمازی جو کچھ نماز میں پڑھ رہا ہے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا پڑھ رہا پوری قلبی توجہ تب ہی ہو سکتی ہے جب نماز کا ترجمہ آتا ہو۔

7۔ نماز کے افعال مثلاً قیام، رکوع، قومہ، سجود، دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا، پہلی اور تیسری رکعت کے بعد بیٹھ کر پھر اٹھنا تشہد اور سلام وغیرہ آرام سے ٹھہر ٹھہر کے اعتدال و اطمینان سے ادا کرنا کیونکہ جلدی جلدی ادا کرنے سے خشوع و خضوع اور قلبی توجہ سے نماز خالی ہو جاتی ہے۔

8۔ دین میں نماز کی اہمیت

☆☆☆

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی لاٹھیوں کا روشن ہونا ان کی کرامتوں کی دلیل ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر:5944)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی ضرورت پر گئے۔ یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا، سخت اندھیری رات تھی، پھر وہ دونوں صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے اپنے گھروں کو واپس ہوئے اور دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک چھوٹی چھڑی تھی، ان دونوں میں سے ایک چھڑی روشن ہو گئی جب ان دونوں کا راستہ بدل گیا تو دوسرے صحابی کی چھڑی بھی روشن ہو گئی اور ہر دو صحابی انہیں چھڑیوں کی روشنی میں اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ (صحیح بخاری، فتح الباری: 7/124-125؛ مشکوٰۃ المصابیح: ج2، حدیث نمبر 3805)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد کو جنگ احد میں پہلے شہید ہونے کا یقین ہو گیا تھا، یہ ان کی کرامت تھی۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب احد کی لڑائی کا موقع آیا تو میرے والد نے رات میں مجھے بلایا اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں پہلے قتل کیے جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہوں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم سے زیادہ عزیز کوئی نہیں ہے اور مجھ پر قرض ہے وہ ادا کر دو اور اپنی بہنوں سے اچھا سلوک کرو، چنانچہ ہم نے صبح کیے اور میرے والد پہلے شہید تھے اور میرے والد کے ساتھ ایک اور شہید کو ایک قبر میں دفن کر دیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر کبھی دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کیا جاتا تھا، چنانچہ میرے والد کے ساتھ بھی ایک اور شہید کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ (صحیح بخاری، فتح الباری: 3/214؛ مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر 1351)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کرامت جب بھی آپ لقمہ لیتے اس کے نیچے سے اور کھانا بڑھ جاتا۔

سیدنا عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ صفہ والے محتاج لوگ تھے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا آدمی اپنے گھر لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں شخص کو یا چھٹے شخص کو لے جائے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تین آدمیوں کو لے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم 10 آدمیوں کو لے گئے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شام کا کھانا تناول فرمائے اور رات کا ایک حصہ جتنا اللہ نے چاہا گزرنے کے بعد گھر لوٹے، ان کی بیوی نے کہا کہ تمہارے مہمانوں سے کس چیز سے تمہیں روکے رکھا؟ تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا؟ تو بیوی نے کہا کہ مہمانوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ آپ آ جائیں۔ یہ سن کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غصہ میں آ گئے اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں کبھی کھانا نہیں کھاؤں گا۔ بیوی نے بھی قسم کھائی کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گی اور مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ وہ بھی کھانا نہیں کھائیں گے۔ تب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہوا ہے۔

آپ نے کھانا منگوایا، آپ نے بھی کھایا، مہمانوں نے بھی کھایا، وہ سب جب بھی لقمہ اٹھاتے اس کے نیچے سے اور زیادہ کھانا بڑھ جاتا، انہوں نے اپنی بیوی سے کہا، اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ تو اب پہلے سے تین گنا زیادہ ہے، چنانچہ سب نے کھایا اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تناول فرمایا۔ (متفق علیہ)

اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے سے ہم تسبیح سنتے تھے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ (صحیح بخاری: 3581؛ صحیح مسلم: 2057؛ مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر: 5946)

نجاشی کی کرامات کہ ان کی قبر پر نور پایا جاتا تھا

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو ہم کو بیان کیا جاتا تھا کہ ہمیشہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا تھا، حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی تھا، وہ نصرانی مذہب کے تھے لیکن اس نے صحابہ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے انتقال پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر پر نور کا پایا جانا نجاشی بادشاہ کی کرامت تھی۔ (سنن ابو داؤد: 2523؛ مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر 5676)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامت

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اتار دیں، جیسا کہ دیگر لوگوں کے کپڑے اتار دیتے ہیں یا نہ اتاریں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں کے ساتھ غسل دیں؟ اتنے میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نیند کا غلبہ ہوا اور ان کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں سے لگ گئیں اور ایک آواز دینے والے نے گھر کے کونے سے آواز دی، لوگ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہے؟ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کپڑوں کے ساتھ غسل دیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں کے ساتھ غسل دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص پر پانی بہاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کو ملتے تھے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر 5948)

غیبت اور مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ لگانے کی ممانعت

اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ (سورۃ الحجرات:12)

”تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ اسے تو تم ناپسند کرتے ہو۔“

سیدنا ابوبرزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ، لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلَا تَتَبَّعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ يَتَّبِعِ اللهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ يَتَّبِعِ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: 4880)

”اے وہ لوگو کہ جو اپنی زبان سے تو ایمان قبول کر چکے ہو مگر دلوں میں ابھی جاگزیں نہیں ہوا! تم مسلمان بھائیوں کی غیبت مت کرو اور نہ ہی ان کے مخفی عیوب ٹٹولنے لگو، کیونکہ جو اپنے بھائی کے عیب ٹٹولنے لگے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب ٹٹولنے لگ جائے گا اور اللہ جس کے عیوب ٹٹولنے لگ پڑے تو اسے گھر کے اندر بھی رُسوا کر کے چھوڑتا ہے۔“

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَمَّا عَرَجَ بِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظَافِرُ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ فَقَالَ: هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: 4878-مسند أحمد:224/3)

”جب میرا رب مجھے معراج پر لے گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، میں نے پوچھا:

اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا:

”یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اوران کی عزتیں اچھالتے تھے۔“

غیبت کہتے کس کو ہیں؟

اس کی وضاحت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ.» قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: «إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ.»

(صحيح مسلم، كتاب البروالصلة، باب تحريم الغيبة: 2589-سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: 4874-سنن ترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في الغيبة: 1934)

”کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اپنے (مسلمان) بھائی کے متعلق ایسی بات بیان کرو کہ جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔“ پوچھا گیا کہ اگر وہ بات جو میں کہہ رہا ہوں اس میں پائی جاتی ہو تو اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر وہ بات جو تم کہتے ہو وہ اس میں پائی جاتی ہو تو تم نے اس کی غیبت کی ہے، اور اگر تمہاری کہی ہوئی بات اس میں موجود نہ ہو تو تم نے اس پر بہتان باندھا ہے۔“

یعنی غیبت کہتے ہی اس عیب کے بیان کرنے کو ہیں جو اس شخص میں پایا جاتا ہو جس کی غیبت کی جارہی ہے، اور اگر وہ عیب اس میں پایا ہی نہ جاتا ہو تو پھر یہ بہتان ہو گا، جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے۔

گالی دینے، عار دِلانے اور کسی کی عزّت اچھالنے کی ممانعت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِيعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هَاهُنَا - يُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى

الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ.»

(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم، وخذله، واحتقاره ودمه، وعرضه، وماله:2564)

"ایک دوسرے سے حسد مت کرو، باہم بُغض مت رکھو، ایک دوسرے پر بڑھا چڑھا کر بولی مت لگاؤ، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور تم میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے سودے پر اپنا سودا نہ کرے، اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ (کیونکہ) مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے رُسوا کرتا ہے اور نہ اسے نیچا دِکھاتا ہے۔ تقوٰی یہاں ہے (آپ ﷺ نے یہ) اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کرتے ہوئے (فرمایا)۔ آدمی کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزّت حرام ہے۔"

سیدنا اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

شَهِدْتُ الْأَعْرَابَ يَسْأَلُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ عَلَيْنَا حَرَجٌ مِنْ جُنَاحٍ فِي كَذَا؟ فَقَالَ: «عِبَادَ اللَّهِ وُضِعَ الْحَرَجُ إِلَّا امْرُؤٌ اقْتَرَضَ مِنْ عِرْضِ أَخِيهِ شَيْئًا فَذَلِكَ الَّذِي حَرِجَ.» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا خَيْرُ مَا يُعْطَى الْعَبْدُ قَالَ: «خُلُقٌ حَسَنٌ.»

(سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب ما أنزل الله داء، إلا أنزل له شفاء: 3436- مسند أحمد: 278/4- سلسلة الأحاديث الصحيحة:433)

"میں بھی اس وقت بدوی لوگوں کے پاس موجود تھا جب وہ نبی ﷺ سے سوال کر رہے تھے کہ کیا فلاں کام کرنے میں ہم پر گناہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ کے بندو! گناہ کو اُٹھا لیا گیا ہے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت سے ایک حصہ کاٹ لیا تو یہ وہ شخص ہے جس نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ پھر انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! بندے کو جو (اللہ کی طرف سے) بہترین چیز عطا کی گئی ہے، وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اچھا اخلاق۔"

عزت اچھالنے یا عزت کا ایک حصہ کاٹ لینے سے مراد یہ ہے کہ دوسرے مسلمان کے بارے میں کوئی ایسی بات کرنا یا کسی ایسے عمل کا مظاہرہ کرنا جس سے اس کی عزت پر آنچ آتی ہو، خواہ اس کا کوئی جسمانی عیب بیان کیا جائے، اخلاقی خصلت ذکر کی جائے یا اس کے گھر کی عزت کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی جائے، غرضیکہ قولی و فعلی کسی طور پر بھی اسے تضحیک کا نشانہ بنانا اس کی عزت اچھالنا ہے اور ایک مومن کے لائق مقام نہیں ہے کہ وہ ایسی گھناؤنی حرکت کرے۔

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.»

(صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر: 48 -صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله عليه وسلم: «سباب المسلم فسوق وقتاله كفر»: 64)

"مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔"

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا: «لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفِسْقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ.»

(صحيح بخاری، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن: 6045-مسند أحمد: 181/5)

"کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر فاسق یا کافر ہونے کا الزام نہ لگائے، کیونکہ اگر اس کا ساتھی (جسے اس نے یہ کہا ہو) ایسا نہ ہوا تو اس الزام کا مورد وہ خود ہی ٹھہرے گا۔"

یعنی اگر اس کے الزام کے مطابق وہ شخص کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو کہ جس سے کفر یا فسق لازم آتا ہو تب تو اس کی یعنی الزام لگانے والے کی معافی کی گنجائش ہے لیکن اگر اس میں ایسی کوئی برائی نہ پائی جاتی ہو تو پھر اپنے اس الزام کا مورد وہ خود ہی ٹھہرے گا۔

سیدنا جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رَأَيْتُ رَجُلًا يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَأْيِهِ، لَا يَقُولُ شَيْئًا إِلَّا صَدَرُوا عَنْهُ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللَّهِ -مَرَّتَيْنِ- قَالَ: «لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ، عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ، قُلِ: السَّلَامُ عَلَيْكَ»، قَالَ قُلْتُ: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ؟ قَالَ: «أَنَا رَسُولُ اللَّهِ، الَّذِي إِذَا كَانَ بِكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ، وَإِنْ أَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَكَ، وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرَاءَ أَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ.» قَالَ: قُلْتُ: اعْهَدْ إِلَيَّ قَالَ: «لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا.» قَالَ: فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيرًا وَلَا شَاةً، قَالَ: «وَلَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَأَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنَ الْمَعْرُوفِ، وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَإِيَّاكَ

وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ، وَإِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيهِ، فَإِنَّمَا وَبَالُ ذَلِكَ إِلَيْكَ وَعَلَيْهِ.»

(سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء في إسبال الإزار: 4084-سنن ترمذی، أبواب الإستئذان، باب ما جاء في كراهية أن يقول عليك السلام مبتدئاً: 2722-سلسلة الأحاديث الصحيحة:1403)

”میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ لوگ اس کی باتوں کو سن رہے تھے، وہ جو بھی حکم جاری کرتا لوگ اسے مان لیتے تھے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ میں نے کہا: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَارَسُولَ اللّٰهِ میں نے یہ دو مرتبہ کہا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: عَلَيْكَ السَّلَامُ نہ کہو، کیونکہ یہ میّت کا سلام ہے، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کہو۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: آپ اللہ کے رسول ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (ہاں) میں اللہ کا رسول ہوں، (وہ اللہ) کہ جب تجھے کوئی دُکھ تکلیف پہنچتی ہے اور تُو اسے پکارے تو وہ (تیری تکلیف) دُور کر دیتا ہے، اگر تجھ پہ قحط چھا جاتا ہے اور تُو اسے پکارتا ہے تو وہ تیری فصل کو اُگا تا ہے اور جب تُو کسی بنجر زمین یا صحراء میں ہو اور تُو اپنی سواری کھو بیٹھے پھر تُو اسے پکارے تو وہ تجھے تیری سواری لوٹا دیتا ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: مجھے کوئی وصیّت فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کسی کو گالی بالکل نہ دے۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد آزاد، غلام، اونٹ اور بکری کسی کو بھی کبھی گالی نہیں دی۔ آپ ﷺ نے (مزید) فرمایا: ”کسی نیکی کو ہرگز کمتر مت سمجھ، اپنے بھائی سے بات کرتے ہوئے ہنستے اور کھلتے چہرے سے بات کر، کیونکہ یہ بھی نیکی ہے، اپنے تہہ بند کو نصف پنڈلی تک اُٹھا کر رکھ، اگر اتنا نہیں کر سکتا تو ٹخنوں تک کر، البتہ ٹخنوں سے نیچے تہہ بند لٹکانے سے بچ، کیونکہ یہ تکبّر کی علامت ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبّر کو پسند نہیں فرماتا اور اگر کوئی شخص تجھے گالی دے یا تجھ میں پائی جانے والی کسی ایسی بات پر تمہیں عار دِلائے جسے وہ جانتا ہو تو تُو اس کی کسی ایسی بات پر عار نہ دِلا جو تُو جانتا ہو، کیونکہ اس کا وبال اسی پر ہو گا۔“

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «مِنْ أَرْبَى الرِّبَا الِاسْتِطَالَةُ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ، وَأَنَّ هَذِهِ الرَّحِمَ شِجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَمَنْ قَطَعَهَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: 4876-مسند أحمد:190/1)

”سب سے بڑا سُود (زیادتی) کسی مسلمان کی عزّت پر ناحق دست درازی کرنا ہے۔ اور رَحِمْ (رشتہ داری) رحمان کی شاخ ہے، سو جس نے اسے کاٹا اس پر اللہ تعالیٰ جنّت حرام کر دے گا۔“

سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يُدَّخَرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ.»(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في النهي عن البغي: 4902- سنن ترمذی، أبواب صفة القيامة، باب منه: 2511- سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب البغي: 4211-مسند أحمد: 36/5- سلسلة الأحاديث الصحيحة:918)

”سرکشی اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی بھی گناہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ جلد ہی اس دنیا میں بھی سزا سے دوچار کرنے کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اس کے لیے سزا باقی رکھے گا۔“

☆☆☆

گھروں کی صفائی ستھرائی اور روحوں کی حاضری کا عقیدہ رکھنا

15 شعبان کی رات میں گھروں کی لپائی پوتائی اور نئے کپڑوں کی تبدیلی کا اہتمام بھی بعض لوگ کیا کرتے ہیں، نیز گھروں میں اگربتی جلاتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس رات میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں، لہٰذا ان کے استقبال میں ایسا کیا کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بالکل فاسد اور مردود ہے، یہ عقیدہ رکھنا جائز نہیں؛ کیوں کہ کوئی بھی انسان مرنے کے بعد اس دنیا میں نہیں آتا ہے مومن ہے تب بھی اور مشرک، کافر ہے تب بھی۔ چنانچہ جامع ترمذی کی حدیث نمبر 1071 میں اس کی وضاحت موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”جب میت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں اگر بندہ مومن ہوتا ہے تو ان کے جوابات صحیح صحیح دیتا ہے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اور فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ تو سو جا اس دلہن کی طرح جس کے گھر کے افراد میں سب سے زیادہ محبوب اس کو جگاتا ہے یہاں تک کہ اللہ اس کو قیامت کے دن اٹھائے گا اور اگر بندہ منافق ہوتا ہے تو وہ ان کے سوالات کے جواب میں کہتا ہے ہائے! ہائے میں نہیں جانتا، اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ اس کو اٹھائے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بندہ مومن ہو یا کافر و مشرک یا منافق کسی بھی صورت میں وہ دنیا میں نہیں آتا، لگتا ہے یہ عقیدہ بھی ہندوؤں کے باطل عقیدے آواگمن سے جاہل مسلمانوں میں در آیا ہے!

غرض یہ کہ اس قبیل کی تمام رسمیں خرافات اور بے اصل ہیں، جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں؛ لہٰذا ان سب چیزوں سے احتراز لازم ہے، ہماری کامیابی نبی کریم ﷺ کے اتباع میں ہی مضمر ہے۔

یہ بات ہے 1994ء کی!!

پاکستان میرا وطن ہے اور پاکستان کے بارے میں اپنے لیل ونہار کا ذکر کرنا بے جا معلوم ہوتا ہے لیکن اس دفعہ وطن عزیز کی زیارت، احباب و اقرباء سے ملاقات اور سیر وسیاحت کے گہرے نقوش لیے ہوئے تھی کہ بے اختیار چند یادوں کا تذکرہ صفحہ قرطاس کے حوالے کرنے کے لیے میرا قلم بے تاب چل پڑا۔

کراچی: جب سے والد مکرم پہلے فیصل آباد اور پھر اسلام آباد منتقل ہوئے ہیں، ہمارا کراچی کا قیام مرورِ کرام کی حد تک رہا ہے، ہمشیرہ اور اعزہ سے ملاقات اولین مقصد رہا ہے لیکن چند یادوں کا تذکرہ کیے بغیر آگے بڑھنے کو دل نہیں مانتا۔

برادرم جمیل فیصل گو والد کے ابناء عم میں سے ہیں لیکن عمر ورتبہ میں میرے قریب قریب ہیں، اس لیے ان سے قریبی تعلق ہے اور ہر دفعہ ایک مختصر نشست ان کے ساتھ رہتی ہے۔ جامعہ کراچی میں ریاضیات کے استاد ہیں، گوشۂ عافیت میں رہنے والے نہیں بلکہ مجلسی آدمی ہیں۔ کراچی کی متعدد محفلیں ان کے درس قرآن یا وعظ ونصیحت سے بھرپور ان کی تقاریر سے آباد رہتی ہیں، جہاد کشمیر کی حقیقت اور بحیثیت جہاد اس کی شرعی حیثیت پر ان کے ساتھ گفتگو رہی اور اس دفعہ چونکہ میں آزاد کشمیر جانے کا پروگرام رکھتا تھا، اس لیے مناسب جانا کہ اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو ہو جائے۔

محبی محمد سلفی جامعہ ستاریہ کے روح رواں ہیں اور ان سے ملاقات، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے شب و روز اور پھر کینیا میں گذرے ہوئے اوقات کی یاد تازہ کر دیتی ہے، معلوم ہوا کہ وہ ان دنوں کینیا ہی کے دورے پر ہیں، اس لیے ملاقات نہ ہو سکی۔

نارتھ ناظم آباد میں میری رہائش گاہ سے قریب ہی چند اہل حدیث احباب نے مسجد نمرہ کے نام سے پچھلے سال ایک مسجد کی داغ بیل ڈال دی ہے۔ ابھی زیر تعمیر ہے، فی الحال ایک سادہ سا ہال اور برآمدہ جمعہ اور جماعت کے لیے کفایت کر رہا ہے۔

مسجد کے امام صاحب کا تعلق بلتستان سے ہے جنہوں نے میرے مختصر قیام کے دوران احباب کے ساتھ ایک نشست منعقد کر ڈالی جس میں برطانیہ کے میرے علمی اور دعوتی کام کا تعارف سرفہرست رہا۔

قاضی عبد القادر ہمارے ہمسایہ ہیں۔ بہت ہی مخلص، باہمت، کام کے دھنی، میدان دعوت کے شاہسوار، زندگی کا بڑا حصہ جماعت اسلامی کے سایہ میں گذارا، اب ڈاکٹر اسرار احمد کی قائم کردہ تنظیم اسلامی سے وابستگی اختیار کر لی ہے، ان کا اپنا گھرانہ، اہلیہ اور بیٹوں کے ساتھ جماعت، تنظیم اور تبلیغی جماعت کا سنگم نظر آتا ہے اور یقیناً یہ صورتحال خوب بحث ومباحثہ اور تبادلہ خیالات کو جنم دیتی ہوگی۔

قاضی صاحب کے ہاں سے ان کے پسندیدہ الرسالہ اور تکبیر کے تازہ شمارے مطالعے کے لیے دستیاب ہوئے اور تکبیر کے حوالے سے پاکستان کی سیاست کے بہت سے گوشے بے نقاب ہوئے۔

برادرم افضال احمد اعظمی کا گھر بھی زیادہ دور نہ تھا، وہ اور ان کے برادر بزرگ نثار احمد اعظمی (نیروبی) میں ہمارے پڑوسی تھے، برادرم افضال سے تو بہت قریبی تعلق رہا۔ انگریزی زبان ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اور سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد انگریزی اخبارات میں اپنے قلم کی جولانیاں دکھاتے رہتے ہیں۔ یہاں آنے سے قبل یہ خبر وحشتناک موصول ہو چکی تھی کہ ان کے بھائی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

نثار احمد کینیا کے مختلف شہروں میں استاد بلکہ ہیڈ ٹیچر کی حیثیت سے فعال رہے، اپنی صاحبزادیوں کو میڈیسن کی تعلیم دلوائی اور ان کے لیے ایک تاباں مستقبل چھوڑتے گئے، وہ رکھ رکھاؤ والے آدمی تھے۔ دین سے انتہائی شغف تھا، نماز کے اتنے پابند تھے کہ اکثر فجر کی نماز کے وقت اپنے گھر سے چلتے ہوئے آتے جو کہ فاصلے پر تھا اور پھر افضال احمد کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور پھر میرا۔ افضال تو ان کے سگے بھائی تھے، اس لیے بعض دفعہ ان پر یہ کرم کرتے کہ اگر وہ نہ اٹھیں تو پانی کی بالٹی ان پر انڈیل دیتے۔ آخری ایام کچھ غفلت میں گذرے، اللہ تعالیٰ ان کی عبادت کو قبول فرمائے اور اسے ان کے لیے باعث نجات بنائے۔

برادرم ممنون احمد اپنے گھر میں باقاعدہ درس قرآن کا اہتمام کرتے ہیں اور میری آمد پر اس کارِ خیر میں مجھے بھی شریک کرتے ہیں لیکن معلوم ہوا کہ ان دنوں شارقہ کے دورے پر ہیں، اس لیے یہ موقع نصیب نہ ہوا۔

اسلام آباد: پاکستان کے خوابیدہ دار السلطنت میں دو ہفتے قیام رہا۔ خوابیدہ اس لیے کہ پاکستان کے دوسرے شہروں کے برعکس یہ شہر اپنی وضع قطع اور روایات میں مشرق اور مغرب کا ایک حسین امتزاج

ہے۔ رات کا اندھیرا ہوتے ہی یہاں کی چہل پہل موقوف ہو جاتی ہے۔ اس شہر کی بنیاد ہی حکومتی اداروں سے شروع ہوئی، یہاں قومی اسمبلی ہے، وزارتوں اور سول سروس کے دفاتر ہیں، متعدد جامعات اور ان کے ہاسٹلز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہاں کے سرکاری ملازمین اپنی تنخواہ کو گریڈ کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کے رتبہ اور منزلت کو بھی پہچانا جاتا ہے۔

رات کو یہ شہر اگر تاریکی کی چادر اوڑھ لیتا ہے تو دن کی روشنی میں ہر طرف بہار کے رنگ بکھیرتا ہے، سرسبز پہاڑیوں کے دامن میں آباد، جنگلات سے ڈھکا ہوا اور اپنے دامن میں کئی ندی نالوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ مارگلہ کی اونچی پہاڑیوں میں 'دامن کوہ' ایک پرکشش مقام ہے جہاں سے اسلام آباد کا نظارہ دل کو فرحت، دماغ کو تروتازگی اور بصارت کو جلا بخشتا معلوم ہوتا ہے۔

جب سے لندن میں اقامت پذیر ہوا، وہاں کی سخت سردی اور بھیگے ہوئے موسم نے اقبال کے آداب سحر خیزی کو عالم فراموشی کی نذر کر کے رکھ دیا، لیکن اسلام آباد کی نسیم صبح کو مشام جان سے معطر کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہوں، چنانچہ جب بھی یہاں آتا ہوں اپنے چھوٹے بھائیوں یا بھتیجوں کی معیت میں درختوں سے گھری سڑکوں کو پاپیادہ کاٹنے کا خوب لطف اٹھاتا ہوں۔

ایک رات گھپ اندھیرے میں ہم ایک بیرونی سڑک پر اطباء کی اس نصیحت کو عملی جامہ پہنا رہے تھے کہ تَغَدَّ تَمَدَّ تَعَشَّ تَمَشَّ (چاروں حروف میں یا محذوف ہے)

جسے انگریزی میں یوں بیان کیا جاتا ہے:

After Lunch Rest a While And After Dinner Walk A Mile

کہ ایک معمر ٹیکسی والے اپنی ٹیکسی روکی اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو منزل مقصود تک پہنچا دوں۔ ہم نے بے رخی کا اظہار کیا تو وہ گویا ہوا کہ میں کسی اجرت کا طالب نہ تھا۔ آپ لوگوں کو باریش دیکھ کر خیال آیا کہ آپ حضرات کی مدد کروں تو پھر ہم نے اپنے عزم کوہ کنی کا اظہار کیا اور اسے بصد شکریہ رخصت کیا۔

ایک صبح ہم دو بھائی درختوں کے جھنڈ میں تنگ سی پگ ڈنڈی پر ہواخوری کا لطف اٹھا رہے تھے کہ اسلام آباد کے ایک دیسی انگریز کے گرانڈیل کتے سے سامنا ہو گیا۔ خود لندن میں اپنے گھر کے سامنے ایک وسیع پارک ہے جس میں صبح صبح سیر کرنے کو طبیعت اس لیے ابا کرتی ہے کہ اکثر ان کتوں کا سامنا ہو جاتا ہے جو اپنی مخصوص تربیت کی بنا پر حملہ آور نہیں ہوتے لیکن ان کا قرب بدن میں سنسنی سی دوڑا دیتا ہے۔ اس کتے کو بھی دیکھ کر یہی کیفیت طاری ہوئی۔ بھلا ہو ہمارے دیسی انگریز کا کہ اس نے اپنے کتے کو اپنی حدود کا پابند رکھا اور ہم بعافیت گھر واپس پہنچے۔

اسلام آباد ایک علمی اور معلوماتی شہر ہے، جہاں اب تک کئی علمی اور دعوتی ادارے وجود میں آ چکے ہیں۔ فیصل مسجد کے دامن میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اور اس سے ملحق اسلامی ریسرچ انسٹیٹیوٹ ہے جسے ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کی سرپرستی حاصل ہے۔ پھر دعوہ اکیڈمی ہے جو ڈاکٹر محمود غازی کے زیر نگرانی کام کر رہی ہے۔

غالباً سیکٹر G8 میں پروفیسر خورشید احمد کا انسٹیٹیوٹ آن پالیسی اسٹڈیز ہے، ایک سیکٹر میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ہے جس کے قرب وجوار میں جماعت اہل حدیث کا قائم کردہ جامعہ سلفیہ ہے جس کے احاطہ میں بعض عرب محسنین کی کاوشوں سے افغان مہاجرین کے لیے خاص طور پر ایک تعلیمی ادارے کی نئی نویلی بلڈنگ کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے۔ برادرم بشیر سیالکوٹی کا اشاعتی اور تدریسی ادارہ دار العلم کے نام سے قائم ہے جہاں درس نظامی عربی زبان کی خصوصی تدریس کے ساتھ پڑھایا جا رہا ہے۔ اتحاد العلماء کا اپنا سنٹر ہے جس کے تحت ایک ماہانہ رسالہ 'الاتحاد' عربی اور اردو میں نکلتا ہے کہ جس کی ادارت میرے ایک برادر خورد احمد حسن (ایم اے عربی اور اسلامیات) کے سپرد ہے۔

عربی طلبہ کی ایک کثیر تعداد ان مختلف اداروں سے وابستہ ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام آباد ایک بین الاقوامی شہر کا روپ دھار چکا ہے۔

والد محترم (مولانا عبد الغفار حسن) کبر سنی اور ضعف کی بنا پر اکثر گھر ہی میں رہتے ہیں لیکن ان کا سارا دن مطالعہ اور درس و تدریس میں گزرتا ہے۔ اکثر شام کے اوقات میں عرب اور غیر عرب طلبہ چلے آتے ہیں اور بعض تو باقاعدہ اصول حدیث اور حدیث کی درسی کتب 'قراءت علی الشیخ' کے انداز سے پڑھ رہے ہیں۔

دعوہ اکیڈمی کے زیر اہتمام والد صاحب کے دو ہفتہ وار لیکچر رکھے گئے تھے جس کے طلبہ پاکستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے جج حضرات تھے۔ بحکم والد یہ دونوں لیکچر میرے حصے میں آئے۔ ایک کا موضوع 'مقام سنت' اور دوسرے کا 'اسلام میں اجتہاد' تھا۔ ایک ایک گھنٹہ کے لیکچر کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ بھی جاری رہا کہ جس سے موضوع کے نکھرنے میں مدد ملی۔

جمعیت اہل حدیث کی مرکزی مسجد آب پارہ میں 'مجلس بحث علمی' کے نام سے ایک ادارے کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے کہ جس کی ضرورت اور اہمیت پر والد صاحب کافی عرصہ سے زور دے رہے تھے اور جسے اب مولانا عبد العزیز حنیف خطیب مسجد اہل حدیث نے عملی شکل عطا کی ہے۔ اس مجلس کے اجلاس میں شرکت کا موقع ملا۔ اس مجلس میں چند حضرات نے مختلف عنوانات پر آئندہ اجلاس کے

انعقاد تک چند علمی مقالات تیار کرنے کا وعدہ کیا۔
مجلس کے کنوینز ڈاکٹر ادریس ہیں جو چند سال قبل اپنی بیگم کی معیت میں گلاسکو، اسکاٹ لینڈ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ دونوں میاں بیوی گو اسلامک یونیورسٹی کے اساتذہ میں سے ہیں لیکن دعوت وتبلیغ کے میدان میں بڑی تندہی سے کام کر رہے ہیں۔ ان کی اہلیہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی رمضان میں خواتین کے لیے درس قرآن کا اہتمام کرتی رہی ہیں جس میں عمائدین شہر بلکہ اکابرین حکومت کی بیگمات بھی شریک ہوتی رہتی ہیں، یہ سلسلہ رمضان کے بعد سے بھی قائم ہے۔ ڈاکٹر ادریس نے مردوں کے لیے ہفتہ وار درس کا اہتمام کر رکھا ہے اور میری موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا ایک درس مجھے نذر کر دیا کہ میں ان کے شرکاء درس سے خطاب کر سکوں، ان کا یہ سلسلہ اب ایک باقاعدہ مرکز کی شکل اختیار کر چکا ہے، ایک وسیع اور کشادہ بلڈنگ میں نہ صرف ہفتہ وار دروس بلکہ طلبہ وطالبات کی تعلیم کا بھی آغاز کیا جا چکا ہے۔اَللّٰھُمَّ زد فزد

قیام اسلام آباد کے دوران یہاں کے معززین میں سے جناب رندھاوا صاحب نے اپنی کوٹھی کی وسیع نشست گاہ میں ایک دن احباب کو مدعو کیا۔ والد محترم نے درس دیا اور میں نے برطانیہ کے حوالہ سے دعوت وتبلیغ کے چند پہلوؤں پر گفتگو کی۔

میرے لیے قیام اسلام آباد اس لیے بارآور رہا کہ لگاتار تین جمعے مرکزی مسجد آب پارہ اور پھر G9 کی ایک ذیلی مسجد میں خطبہ جمعہ دینے کا شرف حاصل رہا۔

خطبہ جمعہ میں جہاد افغانستان کی موجود صورتحال اور سابق مجاہدین کی شرمناک جنگجوئی کے نتیجہ میں اس جہاد کے ثمرات ضائع ہو جانے کے اسباب وعلل کو موضوع بنایا گیا اور ایسے ہی بعض نام نہاد مفکرین کے اسلام کو لبرل ازم کا لبادہ اوڑھانے کے شوق میں اسلام کی اساسی تعلیمات کو نشانہ ستم بنانے کی تحریک پر تنقید اور اصلاح احوال اور دعوت الیٰ اللہ کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کیا گیا۔

مدینہ منورہ میں تعلیم کے دوران جو چند رفقاء ساتھ تھے ان میں سے برادر یوسف کاظم، مولانا عبد اللہ کاکا خیل اس وقت اسلامی یونیورسٹی میں بحیثیت استاد کام کر رہے ہیں اور برادرم عبد الرحمٰن ناصر اپنے ذوق وشوق کے مطابق ایک حساس ادارے کے ساتھ ہیں۔ صرف اول الذکر سے ملاقات ہو سکی۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ برادرم عبد الرحمٰن سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا لیکن معلوم ہوا کہ وہ اپنی نواسی کی پیدائش کے فوراً بعد گذر جانے کی بنا پر مصروف ہو چکے ہیں اور اب اگلی سطور میں مظفر آباد (آزاد کشمیر) کی زیارت کے احوال ملاحظہ ہوں۔ (جاری ہے)

☆☆☆

پندرہ شعبان کو برات کی رات سمجھنا

اس رات کے متعلق مسلمانوں میں بعض ضعیف اور موضوع روایات کی بنیاد پر عام رجحان پایا جاتا ہے کہ یہ بخشش اور جہنم سے آزادی کی رات ہے اس لئے بڑے اہتمام کے ساتھ جوق در جوق شب بیداری کی جاتی ہے اور ہجوم کی شکل میں قبرستانوں کی زیارت کی جاتی ہے، بڑے زور و شور کے ساتھ گھروں اور قبرستانوں میں چراغاں کیا جاتا ہے جبکہ نبی ﷺ سے صحیح احادیث میں صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالی اس رات میں مشرک اور کینہ توز کے علاوہ سب کو معاف کر دیتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ اللهَ لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ

"سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نصف شعبان کی رات جلوہ افروز ہوتا ہے پس اپنی ساری مخلوق کو بخش دیتا ہے سوائے مشرک اور کینہ پرور کے۔" (سنن ابن ماجہ:1390)

اس روایت میں زیادہ سے زیادہ اس رات اللہ کی عام بخشش کا ذکر ہے جو اس میں کی جانے والی کسی خاص عبادت سے مشروط نہیں ہے اور نا ہی اس بنیاد پر نبی کریم ﷺ نے صحیح روایات کے مطابق کبھی بھی خصوصیت کے ساتھ رت جگا کیا اور نا ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دلائی۔ شیطان کی چالیں بھی عجیب ہیں اس نے اس رات میں جس کی عبادت کا ثبوت نبی ﷺ سے ثابت بھی نہیں مصنوعی عبادتوں میں لگا کر مسلمانوں کو ان راتوں سے غافل کر دیا جن میں اللہ اپنے بندے کو آواز لگا لگا کر پکارتا ہے۔ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : " يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، يَقُولُ : مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ ؟

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ ہمارا رب آسمان دنیا پر ہر رات نزول فرماتا ہے جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور اعلان کرتا ہے، ہے کوئی مجھے پکارنے والا میں اس کی پکار سنوں؟ ہے کوئی مجھ سے سوال کرنے والا میں اس کو عطا کروں؟ ہے کوئی مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں؟"

آج کا مسلمان اسی رات کی عبادت کو اپنے لئے کافی سمجھتا ہے حتی کہ اس کو فرائض کی بھی پرواہ نہیں ہے۔

مسجد اقصیٰ حاضری کے لیے تگ ودو

مسجد عمر رضی اللہ عنہ فاروق کی اچھی طرح زیارت اور کچھ وقت وہاں گزار کر بڑا سکون محسوس ہوا۔ اس کے بعد ہمارا اگلا پروگرام مسجد اقصی میں نماز ادا کرنا تھا جو پچھلے دو دن سے مکمل طور پر اسرائیلی فورسز نے زائرین کے لیے بند کی ہوئی تھی اور مغرب کے بعد یہاں ایک فلسطینی بھائی "ابو محمد" کے ہاں دعوت پہ جانا ہے۔ چنانچہ دھیرے دھیرے مسجد اقصی میں داخلے کی کوشش کی لیکن اسرائیلی فوجیوں نے ہر جگہ سنگینیں تان رکھی تھیں۔

اولڈ سٹی میں چلتے چلتے ایک بازار میں مسجد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نظر آئی۔ لیکن کوئی زیادہ تفصیل پوچھنے کا وقت نہ تھا مسجد اقصیٰ کو جانے والے تمام راستوں پر ناکے لگے ہوئے تھے۔

زائرین کو اسرائیلی فورسز دور ہی سے چلتا کر دیتی تھی۔ چلتے چلتے ہم باب السلسلہ تک پہنچے جہاں سے کچھ لوگوں کو اجازت دی جارہی تھی۔ لیکن جب ہم پہنچے تو سب کے لیے مسلسل انکار ہو رہا تھا۔ مسجد اقصیٰ بند ہونے کی وجہ سے وہاں اذان ہو رہی تھی نہ باجماعت نماز۔ اس ضمن میں کئی قسم کی باتیں پھیلی ہوئی تھیں کہ ہر نماز کے وقت مسجد کے اندر سے اذان کی آواز سنائی دیتی تھی۔ کسی بندہ بشر کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ تھی تو یہ اذان کون دیتا تھا؟

اس سوال کے جواب میں آپ کو معلوم ہے کتنے جوابات سنائی دیے۔ خوش اعتقادی کے سوا جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ انسان بہت ہی خوش اعتقاد بن جاتا ہے۔

میں نے ایک فلسطینی عالم دین اولڈ سٹی میں واقع الہاشمی ہوٹل کے مالک سے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے مسکرا کر کہا میں کسی نہ کسی طرح مسجد پہنچ جایا کرتا تھا اور باہر چبوترے پر کھڑا ہو کر اذان کہا کرتا تھا۔ شاید لوگوں نے میری آواز کو کسی باہر والی چیز کی آواز سمجھ لیا ہو میں اکیلا اذان کہتا اور اکیلا ہی جماعت کرالیا کرتا تھا۔ یہ بڑے بہادر اور نڈر شخص ہیں۔ جب ہر طرف سے سیکیورٹی کا پہرہ ہو اور ایک آدمی کسی نہ کسی طریقے سے مسجد میں داخل ہو کر چبوترے پر کھڑے ہو کر اذان کہے تو کسی طرف سے گولی آسکتی ہے لیکن یہ مسلمان کے لیے اعزاز کی بات ہے کہ دوران اذان اس کی شہادت ہو جائے۔

خیر ہم نے بھی باب السلسلہ کے باہر دھرنا دے دیا۔ بہت بڑی گیدرنگ ہوگئی۔ اسرائیلی فورسز نے جب اتنا بڑا ہجوم دیکھا تو صرف بیرونی زائرین کو اندر جانے کی اجازت دینی شروع کر دی۔ ہمارا پاسپورٹ دیکھ کر گارڈ بولا کیا تم اصلاً انڈین ہو؟

میں نے کہا نہیں پاکستانی۔ تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ۔۔۔ پاکستانی ۔۔۔ یہاں تو کسی پاکستانی کا آنا ناممکن ہے۔ چند باتوں کا تبادلہ ہوا اور ہمارے گروپ کو ایک ایک کر کے داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔

مسجد کے گیٹ پر ڈیٹیکٹر نصب کر دیا جا چکا تھا۔

پچھلے 2 دن سے مسجد کو تمام زائرین کے لیے بند کر کے اسرائیلی فورسز نے یہی کام کیا تھا۔ اس وقت اسرائیلی فورسز لاتعلق سے نظر آئیں۔ ہم نے غنیمت جانتے ہوئے اس کو جلدی جلدی عبور کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا میں نے ساتھیوں کو فٹافٹ اس رکاوٹ کو عبور کرنے کا ٹاسک دیا تھا لیکن کچھ لوگوں تک ہمارا یہ پلان نہیں پہنچا تھا۔

اتنے میں عصر کی جماعت کھڑی ہوگئی۔ ہمارے شریک سفر گلزار صاحب مسجد اقصی کے بڑے دروازے (باب السلسلہ) کے باہر ہی نماز عصر کی جماعت میں شامل ہوگئے اب اگر انہیں باہر چھوڑ جاتے تو خطرہ تھا کہ شاید اسرائیلی فورسز انہیں اندر داخل نہ ہونے دیں۔ یوں ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔

اب ان ساتھیوں کے لیے مجھے انتظار کرنا پڑا۔ اگر میں بھی نماز میں شامل ہو جاؤں تو پورا قافلہ تتر بتر ہو جاتا لیکن ادھر جماعت ہو رہی ہو اور آدمی یونہی منہ اٹھائے کھڑا رہے اچھا نہیں لگتا اس لیے میں نے جو ساتھی نماز میں شامل نہ تھے انہیں باب السلسلہ عبور کرنے کا کہا اور خود دوسری صف میں جماعت میں شامل ہو گیا۔ آخری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھی گئی۔ پھر مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ مسجد کی فضا بڑی سوگوار تھی۔ مسجد خالی خالی تھی۔ دیکھا تو مسجد کے اندر نماز عصر ہو رہی تھی۔ نماز عصر کی آخری رکعت میں جا شامل ہوئے۔ یہاں بھی امام صاحب نے قنوت نازلہ پڑھی۔

امام مسجد علی العباسی ایک طرف کھڑے تھے ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ آپ یہاں کیسے پہنچ آئے؟ ہر طرف خطرات منڈلا رہے ہیں آپ کو یہاں آنے کا رسک نہیں لینا چاہیے تھا۔ ہم نے کہا یہاں کی خاطر ہی تو ہم آئے ہیں۔ مختصر سی روئیداد سنائی تو وہ کہنے لگے۔ کہ جمعہ سے آج تک ہم

خود بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکے۔
آج ظہر میں پہلی دفعہ اذان بلند ہو سکی ہے۔ فضا کو دہشت زدہ بنا دیا گیا تھا لیکن اہل ایمان کو کوئی پرابلم نہ ہے اور نہ ہو گا باذن اللہ۔ نماز عصر کے بعد تک باہر سے تکبیریں بلند ہو رہی تھیں کیونکہ اسرائیلی فوجی کسی کو نماز کے وقت بھی اندر نہیں آنے دے رہے تھے، خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں پھر تصادم نہ ہو جائے اور ہم کہیں اندر ہی محصور نہ ہو جائیں۔ نماز مغرب میں ابھی کافی ٹائم باقی تھا۔
مغرب کے بعد ابو محمد کے ہاں کھانا تھا توکل علی اللہ پروگرام بنا لیا کہ مغرب و عشاء یہیں مسجد اقصیٰ ہی میں ادا کر کے باہر جائیں گے۔ ہم اللہ کے گھر میں رہیں گے بزدلی کیوں دکھائیں۔ اللہ کے پاک گھر ہی میں ہیں۔ اگر کچھ ہوتا ہے تو رہے نصیب۔ میں نے سب رفقاء کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ مغرب تک بیت المقدس میں ہی رہیں گے۔ پھر پتہ نہیں اس ارض مقدس میں آنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ سب تلاوت میں مشغول ہو گئے، یوں چند گھنٹے مسلسل بیت المقدس میں مزید گزارنے کی سعادت نصیب ہو گئی۔
وضو بنانے کے لیے صرف باب حطہ والا ٹوائلٹ کھلا ہے جو کافی دور ہے اور مسجد قبۃ الصخراء کو پھلانگ کر جانا پڑتا ہے۔ توکل علی اللہ میں اور بیرسٹر آفتاب وضو بنانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اسرائیلی فوجیوں نے ہمیں دور سے دیکھ کر واپس جانے کا اشارہ کیا۔ انہیں شاید بے حد خوف تھا کہ
یہ 2 آدمی اتنی دیدہ دلیری سے آگے بڑھتے چلے آرہے ہیں کہیں ہم پر حملہ آور ہی نہ ہو جائیں۔ ہم نے ٹوائلٹ کی طرف اشارہ کر دیا تو وہ چپ ہو گئے۔ ہم نے بجھے دل کے ساتھ وضو بنایا۔
واپسی پر قبۃ الصخراء کے میدان میں واقع محراب اور غار کے کتبے پڑھے پھر مسجد میں آ گئے۔ اقصیٰ میں سورج غروب ہونے کا نظارہ کیا اور نماز مغرب پہلی صف میں ادا کر کے امام یوسف سے ملے وہ ہم سب کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور کہا کہ
آپ کو ایسی جرات کرنے سے پرہیز ہی کرنا چاہیے تھا۔ اللہ آپ کی حفاظت فرمائے۔ بعد میں ہم نے عشاء کی جماعت بھی کرا لی۔
بات چیت کے دوران پوچھا گیا کہ یہ جو بار بار اعلان ہو رہے ہیں کہ کل مسجد کھول دی جائے گی ہر گز ایسا ہونے والا نہیں ہے۔ ان بزدلوں کو سر پھرے مسلمان نوجوانوں سے سخت خطرہ ہے۔

ابو محمد فلسطینی کے ہاں دعوت طعام

نماز کے بعد ہم قریبی گیٹ سے باہر نکل گئے۔ ہمارا رخ دیوار گریہ کے متصل سٹریٹ کی طرف تھا جہاں ابو محمد کی دوکان تھی۔ جونہی ہم باب السلسلہ سے باہر نکلے تو ابو محمد ہمارے انتظار میں کھڑے تھے۔ عربی روایات کے مطابق انہوں اھلا و سھلا و مرحبا سے ہم سب کا استقبال کیا اور وہ اپنی دوکان میں لے گئے۔ دوکان میں ان کی اہلیہ بھی ہماری منتظر تھیں انہوں نے بھی خوش آمدید کہا۔ ان کی اہلیہ بہت سادہ مزاج کی خاتون ہیں اور دوکان کے پچھلے حصے میں کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔ دونوں میاں بیوی نے یہاں کے احوال سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کیا۔
ابو محمد پیدائشی طور پر یہاں کا باسی ہے۔ ابو محمد کا والد یہاں ستر سال کی عمر تک مسجد اقصیٰ کے پڑوس میں یہ چھوٹی سی دوکان چلاتا رہا۔ لیکن ابو محمد کی قسمت نے یاوری کی اور یہ دوکان ایک بہت بڑی دوکان بن گئی۔ والد کے انتقال کے بعد ابو محمد نے اسے سنبھال لیا۔ ایک دن دیوار کے ساتھ کچھ کام کرتے ہوئے ایک کونے میں کچھ چیز ٹھونکنے کے لیے ہتھوڑا مارا تو ریت کا ایک بڑا تودا ان پر آن گرا۔ ریت اور ملبے کو صاف کیا انہیں اندر سرنگ محسوس ہوئی۔ میاں بیوی بڑے حیران ہوئے انہوں نے وہ ساری ریت صاف کی تو اندر سے سرنگ مزید چوڑی ہوتی گئی۔ جو پھر نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ اور بڑی آسانی کے ساتھ باقی سرنگ صاف نکل آئی جیسے عموماً پہاڑوں میں ہوتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ
یوں لگتا ہے جیسے کسی زمانے میں یہاں سے مسجد اقصیٰ کی جانب کوئی سرنگ تھی جہاں سے کوئی خاص مہمان نماز ادا کرنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ چونکہ مسجد اقصیٰ کی تاریخ بہت قدیم ہے، کتنے زمانے بیت گئے لاکھوں کہانیاں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔
ابو محمد نے بتایا کہ ہم نے اس راز کو چھپائے رکھنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن جب روزانہ ریت پلاسٹک کے بیگوں میں بھر کر باہر پھینکی جانے لگی تو اسرائیلی فورسز کو شک گزرا انہوں نے آکر چیک کیا تو ابو محمد کو دھمکانے لگے لیکن کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر اس کی قیمت لگانے لگے اس نے بتایا کہ
اسرائیلیوں نے کئی ملین ڈالر کی قیمت لگائی ہے بلکہ اب تو وہ اس کی منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ہمارا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ یہ ہماری نہیں امت اسلام کی پراپرٹی ہے اسے ہم یہودیوں کے ہاتھ نہیں بیچ سکتے۔
یہ بڑی دلچسپ سٹوری ہے جسے سن کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسرائیلی یہاں ملکیت حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی قیمت دینے پر تیار ہو جاتے ہیں لیکن غیرت مند مسلمان نہیں مانتے۔
جیسا کہ حکایات مقدسیہ میں الحاج موسیٰ الخاص کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ایک یہودی وزیر نے دو لاکھ ڈالر میں چھوٹی سی دوکان بیچنے کی آفر کی تھی جس کا انہوں نے انکار کر دیا اوپر آپ نے مریم بی بی کے جذبات بھی سنے کہ
ان کے چھوٹے سے حجرے کی منہ مانگی قیمت دینے

کے لیے اسرائیلی تیار ہیں لیکن وہ ارض مسجد اقصیٰ کسی قیمت پر بھی یہودیوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

ابو محمد اور ان کی اہلیہ نے عربوں کے طریقے کے مطابق بڑے بڑے طباقوں میں کھانا پروس دیا۔ ان کی اہلیہ نے معذرت کی کہ شہر کے حالات خراب ہونے کی وجہ سے ہم شہر سے باہر نہیں نکل سکے اس وجہ سے سامان خورد ونوش کم پڑ گیا ہے۔

کھانے کے آخر میں انہوں نے چھوٹے چھوٹے گلاسوں میں کافی پیش کی جو بہت کسیلی بلکہ کڑوی تھی بعض دوستوں نے کافی کی طرح کا منہ بنالیا۔ ہم نے کچھ ہدایا تحائف اور نقدی پیش کی۔

ابو محمد بھی دوسرے فلسطینیوں کی طرح آئے دن کے ہنگاموں سے کافی پریشان رہتا ہے۔ لیکن عادی ہو چکا ہے اس کا کہنا ہے کہ میرا باقی سارا کنبہ یہاں سے پچاس ساٹھ میل دور غزہ میں مقیم ہے۔ انہیں وہاں جانا زیادہ مشکل نہیں کیونکہ ان کے پاس یروشلم میں ریذیڈنسی کا پرمٹ ہے۔ لیکن ان لوگوں کا یروشلم میں داخلہ ممنوع ہے۔ جیسا کہ حل حلول کے شیخ عصام کی بابت میں نے بتایا تھا کہ انہیں القدس الشریف کی زیارت کیے ہوئے 19 سال بیت چکے ہیں۔

یروشلم اور غزہ والوں کا حال بھی کشمیری خاندانوں جیسا ہے ہر خاندان میں یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی بہتات ہے۔

اس دوران میں ابو محمد کے دو دوست جن کا تعلق ترکی سے تھا وہ بھی آن پہنچے۔ انہیں صرف ترکی زبان آتی تھی عربی یا انگریزی بہت ٹوٹی پھوٹی اور اپنا حال وہی کہ

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

البتہ وہ لوگ عربی سمجھتے تھے بولنے میں ذرا مشکل تھی۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا۔ فارغ ہو کر انہوں نے کچھ یادگار تصاویر یا گروپ فوٹو بنائے۔ ہم سب نے ابو محمد اور ان کی اہلیہ کی ان حالات میں مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مسنون دعا پڑھی۔ یہ تو ان کی دوکان ہے لیکن ان کا گھر ذرا فاصلے پر ہے سب خواتین کو ان کی اہلیہ نے اپنے گھر لیجانے کا پروگرام بنا ڈالا کہ وہاں اور بھی فیملی ممبروں سے ملاقات ہوگی۔ ہم سب اپنے میزبانوں ، فلسطینی بھائیوں اور مسجد اقصیٰ کے پڑوسیوں سے ملنے کی خاطر روانہ ہوئے لیکن عزرائیلی فورسز نے "طریق الآلام" پرناکہ لگا رکھا تھا۔ اور انہوں نے اس قافلے کو آگے بڑھنے سے منع کر دیا بہتیرا سمجھایا گیا کہ ہم زائرین ہیں اور یہ ہمارے میزبان ہیں لیکن وہ نہیں مانے۔

مجبوراً ہمیں یہ پروگرام کینسل اور ہوٹل واپسی کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ اور جلدی جلدی القدس کی تنگ گلیوں سے بڑی تیزی کے ساتھ چلنے لگے کیونکہ ماحول میں سخت کشیدگی تھی۔ ہر جگہ عزرائیلی فوجیوں نے بیریئر لگا رکھے تھے۔ طریق الآلام سے دمشقی گیٹ تک روکاوٹیں ہی روکاوٹیں تھیں۔ ہم تو مہمان تھے ایک دو دن بعد ہم نے اپنے وطن جانا تھا لیکن یہاں کے باسیوں کی یہ بیچارگی اور مظلومیت، ہر وقت خوف کے سائے منڈلاتے دیکھ کر خاص طور پر ہم آزاد ملک (پاکستان اور برطانیہ) کے باسیوں کو بہت دکھ پہنچا اور نعمت آزادی کی قدر دوچند ہوگئی۔

دمشقی گیٹ سے بیرونی دیوار تک کافی چڑھائی تھی باقی سب راستے بند کیے ہوئے تھے اس لیے یہاں رش بھی زیادہ تھا۔ جگہ جگہ اسرائیلی فوجی کھڑے تھے ہر آنے جانے والے کو گھورتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ہم چلتے جاتے اور اسرائیلی فورسز فوراً بیریئر ہٹا دیتی تھیں۔ واپس جانے والوں سے انہیں کیا تردد ہو سکتا تھا۔ میری اہلیہ اچانک پاؤں پھسلنے کی وجہ سے ایک فوجی لڑکی کے اوپر جا گری۔

حیرت یہ ہوئی کہ اس لڑکی نے سوری بولا اور پوچھا کوئی چوٹ تو نہیں آئی لیکن لہجے سے لگا کہ یہ لڑکی عربی نہیں ہے، پاکستانی ہے کیونکہ اس کی شکل بھی پاکستانیوں کی طرح کی تھی اور لہجہ بھی۔ بعد میں ایک دوست نے بتایا کہ کچھ قادیانیوں نے یہاں کی فوج میں شمولیت کی ہوئی ہے مجھے آج اسرائیلی فوج کی لڑکی کے لب و لہجے سے یہ بات سچی ثابت ہوتی معلوم ہوئی۔ رات نیم تاریک تھی۔

اس لیے زیادہ دیر تک وہاں ٹھہرا نہیں جاسکتا تھا۔ بہر حال ہم اس طرح اپنے مستقر پر پہنچے وہاں پہنچتے ہی ہاشمی ہوٹل والے شیخ امجد کا پیغام ملا کہ صبح کا ناشتہ آپ نے ہمارے ہوٹل میں کرنا ہے۔

بروز سوموار، 17 جولائی 2017/23 شوال 1438ھ۔ الہاشمی ہوٹل میں ناشتہ

آٹھ بجے ہم ہاشمی ہوٹل پہنچ گئے۔ ہوٹل کی چھت پر سے پورے یروشلم کا نظارہ کیا۔ وڈیو بنائی۔ الشیخ امجد نے استقبال کیا۔ بڑے خوش ہوئے۔ انہیں بھی ہماری طرح شیخ الالبانی رحمہ اللہ سے ایک واسطہ سے شرف تلمذ ہے۔

☆☆☆

تاریخ اہل حدیث

ڈاکٹر بہاء الدین

تیسری کتاب کا نام ہے ارکان الاسلام فقہ العبادات علی مذہب الامام ابی حنیفہ النعمان۔

مولف کا نام ہے وہبی سلیمان غاوجی۔ یہ دو جلدوں میں ہے، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت طبع اولی 2002ء۔

اس میں بھی صرف تین فرق بیان کئے گئے ہیں:

1۔ مرد تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں کے برابر تک رفع الیدین کرے لیکن عورت کندھوں کے برابر تک رفع الیدین کرے، اس لئے کہ اس کی زندگی اور نماز کی بنیاد پردے پر ہے۔

2۔ مرد اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھے لیکن عورت اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر سینے پر رکھے۔ بغیر تحلیق کے (حلقہ بنائے بغیر) اس لئے کہ اس میں اس کے لئے زیادہ پردہ ہے۔

3۔ عورت اپنی سرین پر بیٹھے اس لئے کہ اس میں اس کیلئے زیادہ پردہ ہے۔

اس حنفی عالم نے بھی ان فروق کے لئے کوئی دلیل کتاب وسنت سے نہیں دی ہے۔

صرف یہ عقلی دلیل دی ہے کہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

عقل وقیاس ہی کی بنیاد پر حنفی علماء سے استفسار ہے کہ

1۔ عورت اگر کندھے تک ہاتھ اٹھانے کی بجائے دو انچ اور زیادہ ہاتھ اٹھا کر کانوں کے برابر تک (مردوں کی طرح) ہاتھ اٹھالے تو اس میں بے پردگی کس طرح ہوگی؟

آخر اس میں بے پردگی کا کون سا پہلو ہے؟ اگر یہ فرق نص پر مبنی ہوتا تو پھر یہ سوال کرنے کا مجاز کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا تھا، لیکن یہ سوال ہم اس لئے کر رہے ہیں کہ اس کی بنیاد عقل وقیاس ہے۔ اس لئے ہمیں بھی عقل وقیاس کی بنیاد پر سوال کرنے کا حق حاصل ہے تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ واقعی اس کی کوئی عقلی وقیاسی بنیاد ہے۔ ورنہ ہمارے نزدیک تو اس کی عقلی وقیاسی بنیاد بھی نہیں ہے۔

شرعی بنیاد تو پہلے ہی نہیں ہے جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے۔ اسی طرح دوسری کیفیات کی بابت بھی یہی سوال ہے کہ ان میں پردے کا پہلو کس طرح ہے؟ اور اگر عورت، مرد ہی کی طرح وہ کام کرے تو اس میں بے پردگی کیسے اور کس طرح ہے؟

2۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عورت کے لئے پردے کے احکام دیئے ہیں اور بے پردگی کی صورتوں سے روکا ہے۔ اگر ان کیفیات وہیئات میں واقعی عورت کے لئے پردہ اور بصورت دیگر بے پردگی ہوتی تو کیا شریعت اسکا اہتمام کرنے کا حکم نہ دیتی؟ کیا اللہ تعالی بھول گیا؟ یا رسول اللہ ﷺ اس مسئلے کو واضح نہیں کر سکے جیسا کہ بعد میں فقہائے احناف نے واضح کیا؟

واقعہ یہ ہے کہ

اگر حدیث واقعی مآخذ شریعت ہے یعنی اسے تشریعی اور تقنینی حیثیت حاصل ہے (اور بلاشبہ اسے یہ مقام اور حیثیت حاصل ہے) تو پھر ہر فرقے کا اپنے ذہنی تحفظات اور مخصوص فقہی استنباطات و اجتہادات کو اہمیت دینا اور حدیث کو بطائف الحیل نظر انداز کر دینا، یا کسی نہ کسی خوش نما خانہ ساز اصول کے ذریعہ سے اسے مسترد کر دینا کس طرح مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے؟ یا کس طرح اسے حدیث رسول کو ماننا تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

حدیث رسول کو ماخذ شریعت ماننے کا مطلب اور تقاضا تو یہ ہے کہ جو حدیث محدثانہ اصول وجرح وتعدیل کی روشنی میں صحیح قرار پائے، اسے مان لیا جائے اور جو ضعیف قرار پائے، اسے ناقابل استدلال تسلیم کیا جائے۔

محدثین کا یہی اصول اور منہج ہے اور یہی منہج یا طرز فکر وعمل امت مسلمہ کے باہمی اختلافات کے ختم یا کم سے کم کرنے کا واحد طریقہ یا اس کا ضامن ہے۔ اس کے برعکس رویہ کہ صحت سند کے باوجود اپنی ہی یا کسی مخصوص فقہی رائے ہی کو ماننا اور ضعف سند کے باوجود اسے ہی ترجیح دینا، اسے نہ حدیث رسول کو ماننا ہی تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ اس طریقے سے فقہی اختلافات اور حزبی تعصبات کا خاتمہ ہی ممکن ہے۔

اس کی دوسری مثال مسئلہ تقلید ہے۔

علمائے احناف کا یہ گروہ اس تقلید کی مذمت کرتا ہے جس کو اہل حدیث مزموم قرار دیتے ہیں۔ لیکن حدیث رسول کی حجیت کے دعوے کی طرح ان کا یہ دعوی بھی صرف زبان ہی کی حد تک ہے۔ عملاً انہوں نے تقلید حرام ہی کو اپنایا ہوا ہے جس کو یہ حضرات خود بھی مذموم اور ناجائز ہی قرار دیتے ہیں۔ اس لئے یہ طریقہ محدثین کی روش کے یکسر خلاف ہے، جنہوں نے احادیث کی جمع وتدوین اور ان کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا اور انکی صحت وضعف کی پہچان کے لئے نقد وتحقیق کے بے مثال اصول وضوابط وضع اور مقرر کئے۔ تقلید حرام ہی کی وجہ سے ان

اصول وضوابط کو بھی دل سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔
یہ غیر محد ثانہ رویہ، جس نے امت واحدہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے: کن لوگوں نے اپنا یا ہوا ہے۔ اور کیوں اپنا یا ہوا ہے ؟ اور اسے چھوڑنے کے لئے وہ کیوں تیار نہیں ہیں ؟ ان تینوں سوالوں کا جواب واضح ہے۔

1۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے محد ثین کی روش سے انحراف کیا ہے، جو خالص اور ٹھیٹھ اسلام کی آئینہ دار اور ماانا علیہ واصحابی، کی مصداق تھی اور ہے۔

2۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو کسی ایک فقہی مذہب سے وابستہ کر لیا جس کا اللہ نے اور اللہ کے رسول نے قطعاً حکم نہیں دیا۔ اتباع کے بجائے انہوں نے ابتداع (اپنی طرف سے شریعت سازی) کا اور اطاعت کی بجائے تقلید کا راستہ اختیار کیا۔

اتباع کیا ہے اور ابتداع کیا؟

اتباع کا مطلب ہے اللہ کے رسول کے پیچھے لگنا، کیونکہ صرف وہی اللہ کا نمائندہ ہے۔
اللہ نے اسی کے اتباع کا حکم دیا ہے، اور ابتداع یہ ہے کہ اس اتباع رسول سے تجاوز کر کے اپنی طرف سے کسی چیز کو واجب قرار دینا، جیسے کسی نہ کسی امام کی تقلید یا خود ساختہ فقہ کی پابندی کو لازم سمجھنا اور لازم قرار دینا۔

امتیو ں کو تو اتباع کا حکم ہے نہ کہ ابتداع کا ، اور اطاعت کا مطلب بھی صرف ماانزل اللہ (اللہ کی نازل کر دہ باتوں) کا ماننا ہے۔ ہم اللہ کے رسول کی اطاعت واتباع بھی اسی لئے کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول کی بھی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے۔ غیر مشروط اطاعت کا حق صرف اللہ کے رسول ﷺ کا ہے، مخلوق میں سے کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں۔ اسی لئے اللہ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے:

﴿من يطع الر سو ل فقد اطاع الله ﴾

(سورۃ النساء:80)

”جس نے رسول کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔“

یہ بلند مقام اللہ کے رسول کے علاوہ کسی اور کو حاصل ہے ؟ نہیں یقینا نہیں۔ اور اللہ نے اپنے رسول کو یہ بلند مقام اس لئے دیا ہے کہ وہ اللہ کا نمائندہ ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالی اس کی براہ راست حفاظت و نگرانی بھی فرماتا اور اسے راہ راست (صراط مستقیم) سے ادھر ادھر نہیں ہونے دیتا ۔ (دیکھئے سورۃ الا سراء:73۔74 ونحوھا من الآیات)

یہ مقام عصمت بھی اللہ کے رسول کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ آئمہ کی تقلید کو لازم قرار دینے والے کیا یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ ان کے امام کو یہ مقام عصمت حاصل ہے ؟

اس کی رائے میں غلطی کا امکان نہیں ؟ اس کا ہر قول اور ہر اجتہاد صحیح ہے ؟ یقینا کوئی شخص یہ دعوی نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہیاور یقینا ایسا ہی ہے تو پھر ہر مسئلے میں کسی ایک ہی شخص کی بات بلا دلیل ماننے کو لازم قرار دینا (جسے اصطلاحاً اور عرفاً تقلید کہا جاتا ہے) کیا یہ اس لئے غیر مشروط اطاعت کا حق تسلیم کروانا اور اسے مقام عصمت پر فائز کرنا نہیں ہے ؟

3۔ یہاں سے اس تیسرے سوال کا جواب کہ حضرات یہ روش چھوڑنے کے لئے کیوں تیار نہیں ؟ سامنے آجاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ گو یہ اپنی زبانوں سے عصمت آئمہ کا اظہار یا دعوی نہیں کرتے لیکن عملاً صورت حال یہی ہے کہ

انہوں نے آئمہ کرام کو آئمہ معصومین کا درجہ دے رکھا ہے۔ اپنے امام کی ہر بات کو (ماانزل اللہ) کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تسلیم کرتے ہیں اور اپنی خود ساختہ فقہوں کے مقابلے میں حدیث رسول سے اعراض وگریز ان کا وطیرہ اور شیوہ گفتار ہے۔

ان کا یہ طرز عمل وفکر محد ثین کے منہج ومسلک سے یکسر مختلف، شیوہ مسلمانی کے بر عکس اور امت کی فکری و حدیت و یک جہتی کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے۔

ان حضرات کے بارے میں ہماری بات کوئی مفروضہ یاواہمہ نہیں، ایک حقیقت واقعہ ہے، شک وشبہ سے بالا ہے، اور روز روشن کی طرح واضح ہے، جس کا مشاہدہ صدیوں سے ہو رہا ہے اور ہر دور کے اہل علم نے اس کا اظہار کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ جن کی بابت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اہل تقلید سے کوئی مخاصمت رکھتے تھے۔ بلکہ پاک وہند کے وابستگان تقلید تو اپنے آپ کو مسند ولی اللہ ہی کا جانشین اور فکر ولی اللہ ہی کے وارث سمجھتے ہیں۔ یہ فرماتے ہیں:

" و ترى العامة ، سيما اليوم، كل قطر يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين، يرون خروج الانسان من مذهب من قلده، و لو في مسئلة، كالخرو ج من الملة، كانه نبي بعث إليه، وافترضت طاعته عليه، وكان أوا ئل ا لأمة قبل المأة الرا بعة غير متقيدين بمذهب واحد."

(تفہیمات الا ٰلہیہ ج1۔ ص206۔ تفہیم 66 شاہ ولی اللہ اکادمی حیدر آباد سندھ۔1970ء)

”تم عام لوگوں کو دیکھو گے، خاص طور پر آج کل، ہر علاقے میں، جنہوں نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی (تقلیدی) مذہب سے وابستہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب سے نکلنے کو، چاہے کسی ایک ہی مسئلے میں ہو، ایسے سمجھتے ہیں جیسے وہ ملت اسلام ہی سے نکل

گیا، گویا وہ (امام) ایسا نبی ہے جو اس کی طرف من جانب اللہ بھیجا گیا ہے اور اس کی اطاعت اس پر فرض قرار دی گئی ہے حالانکہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے کے لوگ کسی ایک مذہب سے وابستہ نہیں تھے۔“

اور یہی شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں امام عزالدین بن عبد السلام کا قول نقل کرتے ہیں :

"ومن العجب العجب أن الفقهاء المقلدين يقف أحد هم على ضعف مأخذ اما مه بحيث لا يجد لضعفه مد فعا، وهو مع ذلك يقلده فيه، و يترك من شهد الكتاب و السنة و الاقسية الصحيحة لمذهبهم، جموداً على تقليد امامه. بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب و السنة، و يتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالاً عن مقلده، و قال: لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد لمذهب ، و الا انكار على أحد من السائلين، إلى إن ظهرت هذه المذاهب، ومتعصبوها من المقلدين، فان أحدهم يتبع امامه مع بعد مذ هبه عن الأدلة مقلداً له فيما قال، كأنه نبی ارسل، و هذا نأى عن الحق ، و بعد عن الصوا ب، لا یر ضى به أحد من اولی ا لألباب ."

”مقلدین فقہاء کی یہ بات نہایت ہی عجیب ہے کہ انہیں صاف طور پر نظر آجاتا ہے کہ ان کے امام کے قول کا ماخذ اور اس کی سند نہایت بودی اور کمزور ہے اور ایسی کوئی دلیل بھی موجود نہیں جو اس کے ضعف اور کمزوری کو رفع کر دے، پھر بھی وہ اس (امام) کے قول پر از راہ تقلید جمے رہتے ہیں اور جس قول کی قرآن و حدیث کی ناطق دلیلیں شاہد ہیں اور قیاس صحیح اس کی تائید میں ہے اس کو وہ قبول نہیں کرتے بلکہ الٹا ان دلائل صحیحہ اور قرآن و حدیث کے شواہد کو لطائف الحیل سے دفع کرنا چاہتے ہیں اور بعید از عقل و درایت باطل تاویلیں گھڑتے ہیں، اور اس تمام تگ و دو کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس کو انہوں نے امام تسلیم کیا ہے اس کے قول کو غلط نہ کہنا پڑے۔“

امام عزالدین نے مزید کہا: ”مسلمانوں کا ہمیشہ اس پر عمل رہا ہے کہ جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ یا حکم شرعی پوچھنا ہوتا تو وہ کسی عالم سے پوچھ لیتا، قطع نظر اس سے کہ وہ کس مذہب کا عالم ہے؟ اس پر کوئی انکار بھی نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ ان مذاہب اربعہ کو فروغ حاصل ہوا اور ان کے پیروکاروں نے اندھی تقلید کو اپنا شیوہ بنالیا۔

چنانچہ وہ اس صورت میں بھی اپنے مقرر کردہ امام کی تقلید کرتے ہیں جب کہ اس کا قول اور مذہب دلیل اور برہان سے کوسوں دور ہو۔ وہ اس کی اس حد تک تقلید کرتے ہیں گویا وہ نبی مرسل ہے۔

یہ طرز عمل حق و صواب سے بہت دور ہے جو کسی عقل مند آدمی کے لئے پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ص 155، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور۔ 1975ء)

☆☆☆

حضرت علامہ ابوالبیان حماد العمری کے سانحہ ارتحال پر

الوداع اے بو البیاں حماد! اے عالی جناب! | اے سراپا علم وفن، ملت کے حق میں اک سحاب
زندگی تھی آپ کی مرد قلندر کی کتاب | حق تعالیٰ نے عطا کی تھی قبائے لاجواب
آپ کے فیضان سے کتنے ہوئے قدسی نفوس | آپ تھے راہِ عمل میں اک مجسم اضطراب
میری دینی تربیت بھی آپ کی مرہون ہے | آپ استاذ ومربی تھے مرے عزت مآب
میں نے دنیائے سخن میں فیض پایا آپ سے | آپ نے رکھے سدا، وا شفقت ورافت کے باب
اے مرے مشفق مربی، مرشد فکر وعمل | آپ کو خلد بریں میں دے جگہ رب وہاب!
اکتساب فیض میں نے مدتوں جن سے کیا | سایہ فرمامیرے سر پر، بو البیاں حماد تھے
اک معلم، اک محدث، ناقد بالغ نظر | علم وفن کا ایک پیکر، بو البیاں حماد تھے
سینکڑوں بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھلا دیا | علم دیں کا اک سمندر بو البیاں حماد تھے!

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی